



مہادیات تحقیق

عبدالرزاق فریشی

تذکرہ و تعارف مع اضافہ
پروفیسر عبدالستار دلوی

انجمنِ اسلام اردو یونیورسٹی ٹیوٹ، ممبئی

۹۲ روڈ ایجمنی نوروجی روڈ، ممبئی - ۳۰۰۰۰۱



Symbol of Secularism &
National Integration



مہادیاں و تحقیق

عبدالرزاق قریشی

تذکرہ و تعارف مع اضافہ

پروفیسر عبدالستار دلوی

انجمن اسلام اردو یسروچ انٹی ٹیوٹ، ممبئی

۲۰۱۳ء



Symbol of Secularism &
National Integration

یہ کتاب اردو سافٹ ویریان چیج پروفیشنل کے اور یکنل ورثن میں نائپ کی گئی ہے۔

انجمن اسلام پبلیکیشنز سیریز (جدید) : ۳

© جملہ حقوق بحق انجمن اسلام اردو یسروچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

Mubadiyat -e- Tehqeeq (Eliments of Research)

by : Abdur Razzaq Qureshi

with introduction by : Prof. Abdus Sattar Dalvi

Published by : Anjuaman-i-Islam Urdu Research Institute, Mumbai

2nd Edition Published in : 2014 - Price : Rs. 100/-

نام کتاب : مبادیات تحقیق

مؤلف : عبدالرزاق قریشی (مرحوم)

ناشر : انجمن اسلام اردو یسروچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی، انجمن اسلام کمپلیکس،

ڈی. این. روڈ، ممبئی - ۱، فون: ۰۲۲-۲۶۵۱۳۵۴

ایمیل: anjuman_uri@rediffmail.com

اشاعت ثانی : اپریل ۲۰۱۳ء

سرورق : جاوید یوسف

کمپیوگرافی و طباعت : غزالی نائپ سیٹس اینڈ پرنٹس، ممبئی

contact.ghazali@gmail.com

قیمت : ۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے ۱- انجمن اسلام اردو یسروچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی

انجمن اسلام کمپلیکس، دادابھائی نوروجی روڈ، ممبئی - ۴۰۰۰۰۱

۲- مکتبہ جامعہ لمیثیڈ، دہلی، علی گڑھ اور

پرس بلڈنگ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، ممبئی - ۳

۳- نئی کتاب پبلیشورز

اوکھا میں، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

تحقیقی مقالہ میں کوئی علمی مسئلہ حل کیا جاتا ہے یا کوئی نئی بات کی

جاتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بات کبھی جائے وہ بنیادی طور پر نئی

ہو۔ ایک بات پہلے کبھی جا چکی ہے۔ اس میں جدید معلومات کا اضافہ بھی

تحقیق ہے۔ جو بات پہلے کبھی گئی ہے اگر اس میں غلطی یا غلطیاں ہیں تو ان

کی تصحیح بھی تحقیق ہے۔ مسئلہ کے کسی نئے پہلو پر بحث کرنا یا روشنی ڈالنا بھی

تحقیق ہے۔ کسی طے شدہ مسئلہ پر دوبارہ روشنی ڈالنا بھی تحقیق ہے۔ قدیم

تحقیقات کو، وہ علم کی کسی شاخ سے تعلق رکھتی ہوں، نظر انداز نہیں کیا

جا سکتا۔ موجودہ ترقی کا سرا اگر تلاش کیا جائے تو وہ ماضی کے دھن کے

میں ملے گا۔ (اس کتاب سے اقتباس)

ابتدائیہ

ڈاکٹر ظہیر قاضی

(صدر انجمن اسلام، ممبئی)

انجمن اسلام مسلمانان ممبئی کا ممتاز تعلیمی ادارہ ہے جو جس بدرالدین طیب جی اور ناخدا محمد علی رو گھے (دؤم) کی مسامی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ یہ ادارہ ۱۸۷۳ء میں قائم کیا گیا۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمانان ممبئی میں ثانوی تعلیم کا فروغ تھا۔ اس کے ابتدائی زمانے میں جو بزرگ اس سے متعلق و منسلک تھے ان میں جس بدرالدین طیب جی اور ناخدا محمد علی رو گھے کے علاوہ مشی غلام محمد اور حجی الدین دلوی (اویین دو سیکریٹری) قمر الدین طیب جی اور عبداللہ دھرمی کے نام بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ عبداللہ دھرمی کے زمانے میں ۱۸۹۷ء میں جب وہ انجمن اسلام کے سیکریٹری تھے، انجمن اسلام ہائی اسکول کی عالی شان عمارت کا سانگ بنیاد رکھا گیا۔ یہ پرانکوہ عمارت اپنے اسلاف کی انتہک کوششوں اور تعلیمی مقصد سے لگن کی ایک مثالی یادگار ہے جسے ممبئی میں Heritage Building ہونے کا شرف حاصل ہے۔

انجمن اسلام نے اپنی شاندار تاریخی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بعد کے زمانے میں بھی اسے قائم رکھا اور عصری ضروریات کے ساتھ اپنے کاموں میں توسعہ کی۔ اڑکوں کی تعلیم

کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر بھی توجہ کی، پھر اردو یونیورسٹی نئی ثبوت کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جو مسلمانوں کی اسلامی، ادبی اور تہذیبی شناخت کی ایک علامت ہے۔ اس ملسلے میں انجمن اسلام کے سابق صدر جناب سیف طیب جی اور ان کے رفقاؤ ذاکر محمد بذل الرحمن، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار اور پروفیسر آصف اے اے فیضی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ماضی میں ادارے کے ڈاکٹر پروفیسر نجیب اشرف ندوی، ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی اور ادارے کے رفیق جناب عبدالرزاق قریشی کی اعلیٰ تحقیقی کاوشیں علمی دنیا کے سامنے پیش کرنے کا شرف انجمن اسلام کو حاصل رہا ہے، جس کی علمی دنیا نے بڑی پذیرائی کی یہ کتابیں حوالہ جاتی کتابوں کے طور پر مختلف یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی ہیں۔

انجمن اسلام اردو یونیورسٹی نئی ثبوت کے ڈاکٹر پروفیسر عبدالستار دلوی کی اس اہم اور مفید کتاب کی جانب توجہ دلانے اور اصرار پر انجمن اسلام نے اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا فیصلہ کیا۔ اصول تحقیق پر جناب عبدالرزاق قریشی کی ایک عرصے سے نایاب کتاب "مبادیات تحقیق" بیش قیمت اضافے کے ساتھ دوبارہ پیش کرتے ہوئے انجمن اسلام خوش محسوس کر رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت تحقیقی ذوق رکھنے والے طلباء اور اساتذہ کی راہبری اور رہنمائی میں اضافہ کا سبب بنے گی۔ انشاء اللہ انجمن اسلام آئندہ بھی علمی، تحقیقی اور ادبی کتابیں پیش کرتا رہے گا۔

ظہیر قاضی
(صدر انجمن اسلام، ممبئی)

ممیز
۲۱ فروری ۲۰۱۲ء

تعارف و تذکرہ

اردو میں علمی اور ادبی تحقیق کی روایت تقریباً ۲۰۰ سال کی ہے۔ سر سید کی آثار الصنادید، علمی تحقیق کا نقطہ آغاز ہے۔ سر سید کے رفقانے اپنے ذوق و شوق کی مناسبت سے تحقیق کو موضوعات کے اعتبار سے وسیع تر کیا۔ اس سلسلے میں محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی، شمس العلوماء، کاء اللہ اور امداد امام اثر کے نام بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ عبدالسلام ندوی کی شعرالہند اور شمس اللہ قادری کی قدیم اردو کا تعلق بھی اسی سلسلے سے ہے بعد میں اپنی دلچسپیوں کے مطابق علمی اور ادبی تاریخ کو مختلف اشخاص نے آگے بڑھایا۔ بیسویں صدی کے ربیع الاول کے بعد ہمارے علمائے ادب نے یورپ میں جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وہ غالباً پہلی بار جدید سائنسی، علمی و ادبی تحقیق سے متعارف ہوئے۔ پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر عبدالستار صدیقی، پروفیسر مولوی محمد شفیع، پروفیسر محی الدین قادری زور اور ڈاکٹر اقبال، یہ چند نام ہیں جنہوں نے یوروپی طرزِ تحقیق کو اپنایا اور ہندوستان میں جدید علمی اور ادبی تحقیق کو پروان چڑھایا۔ انہی کی رہنمائی اور علمی آگہی کا نتیجہ ہے کہ یونیورسٹی اور کالجوں میں بھی اردو میں علمی و ادبی تحقیق کا سامنے انداز سے آغاز ہوا اور اصول تحقیق پر

غور و خوض شروع ہوا اور مضمایں لکھے گئے تاکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء کی رہنمائی ہو سکے۔ لیکن اب بھی اردو تحقیق کا اہم طالب علم اپنے ذوق و شوق کی مدد سے تحقیقی کاموں میں مصروف ہے لیکن وہ صحیح معنوں میں اصول تحقیق کی علمی آگہی سے محروم ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اصول تحقیق اور تدوین متن کے لئے اردو میں مضمایں اور کتابیں لکھی جاتیں۔ تدوین متن بھی تحقیق کا ایک اہم حصہ ہے۔ لیکن تحقیق کی یہ شاخ بھی ہماری نظروں سے اوجھل رہی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت زبان و ادب کے حوالے سے انگریزی میں کافی مواد موجود تھا۔ اردو، فارسی اور سنسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں تحقیق کے حوالے سے مختلف رویے اور مختلف مسائل ہونے کی وجہ سے، جس میں رسم الخط بھی شامل ہے، طریقہ کار میں فرق ہے۔ تاہم کچھ بنیادی باتوں میں اشتراک کے پہلو بھی موجود ہیں۔ اس پس منظر میں ادبی اور علمی تحقیق کے اصول اور طریقہ کار پر رہنمایانہ کتابوں کی اشد ضرورت تھی۔ اس بات کا شدید احساس ہمارے یونیورسٹی کے اساتذہ اور شعبہ تحقیق سے وابستہ اسکالروں کو ہوا اور ساتھ ساتھ انجمن اسلام اردو یونیورسٹی ٹیوٹ کے نامور محقق استاد محتزم عبدالرزاق قریشی صاحب کو بھی ہوا جن کے پاس عام طور سے طلباء مشورے کے لئے جاتے تھے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر انہوں نے مبادیات تحقیق تحریر کی جوانہوں نے تحقیق کے بنیادی اصولوں، یوروپی یونیورسٹیوں میں تحقیق کے طریقہ کار اور دوسری کتابوں کی مدد اور اپنے تجربے کی بنیاد پر تصنیف کی۔ قریشی صاحب کی اس بہت بھی اہم اور بنیادی کتاب کے بعد بیرونی قاضی عبدالودود، ڈاکٹر شوکت سبزواری، مالک رام وغیرہ نے اصول تحقیق کے بارے میں مضمایں لکھے۔ اس سلسلے کی ایک اہم کتاب رہبر تحقیق کے نام سے شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی نے شائع کی جو مختلف مضمایں پر مشتمل ہے۔ بعد میں رشید حسین خان، ڈاکٹر نویر علوی، ڈاکٹر گیان چند جیمن نے تحقیق کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مضمایں کتابی صورت میں شائع کئے۔ شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی نے ۱۹۸۲ء میں اپنے قیام کے بعد ”ادبی اور لسانی تحقیق: اصول و طریقہ کار“ کے نام سے شائع کی اور ڈاکٹر گیان چند جیمن نے اپنی وقوع اور ضخیم کتاب فن تحقیق شائع کی۔ متنی تنقید کے لحاظ سے شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی نے مشہور عالم، محقق اور مرتب متن پر وفیر نذر یار احمد کو مدعو کیا اور انہوں

نے تحقیق اور تصحیح متن پر تین خطبات پیش کیے جسے شعبہ اردو نے شائع کیا۔ یہی کتاب بعد میں پاکستان سے بھی دوبارہ شائع ہوئی۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ عبدالرزاق قریشی مرحوم کی کتاب ”مہادیات تحقیق“ اردو میں اردو تحقیق کے اصول و ضوابط اور طریقہ کار پر پہلی کتاب ہے جو اپنی اہمیت اور تحقیق میں سامنے اور اہم ترین کتاب کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گی۔

عبدالرزاق قریشی صاحب، ضلع عظم گڑھ میں بستی بسم کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد قریشی صاحب بمبئی تشریف لائے اور انجمن اسلام ہائی اسکول میں درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ وہ انجمن اسلام اسکول کے ممتاز اور معروف اساتذہ میں سے تھے۔ انھیں اردو زبان و ادب اور اسی طرح فارسی زبان سے بھی شغف تھا اور درس و تدریس کے ساتھ وہ زبان و ادب کی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ اس زمانے میں بمبئی کے اردو کے اساتذہ میں تین (۳) اساتذہ اپنی زبان دانی اور درس و تدریس میں مہارت اور طلباء کی ذہنی تربیت اور ادبی ذوق و شوق کو پروان چڑھانے میں مشہور تھے۔ ان میں قریشی صاحب کے علاوہ احمد سیلر اسکول کے استاد محمد بشیر صاحب اور بیگ محمد کے فاضل استاد مولا ناجالب مظاہری کے نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان تینوں اساتذہ کو اسکولی سطح کی اردو و تدریس اور تاریخ کے لئے شہرت حاصل تھی۔

جس زمانے میں قریشی صاحب بمبئی تشریف لائے اسماعیل یوسف کالج ایک ممتاز تعلیمی ادارہ تھا جہاں اردو، فارسی، عربی اور اسلامیات کی تعلیم کا شہر تھا۔ ڈاکٹر محمد بذل الرحمن اس کالج کے پرنسپل تھے جن کا خود اردو، فارسی اور عربی کے ممتاز عالموں میں شمار ہوتا تھا۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی بھی اس کالج میں اردو کے پروفیسر تھے۔ پروفیسر محمد ابراہیم ڈار عربی کے ممتاز عالم اور پروفیسر تھے اور اسی طرح پروفیسر ڈاؤڈ پوتا بھی اس کالج سے متعلق تھے اور فارسی کے ممتاز عالم اور استاد کی حیثیت سے قدیم ریاست بمبئی میں، جس میں گجرات، سندھ اور کرناٹک کے کچھ حصے بھی شامل تھے، ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ قریشی صاحب کا اگرچہ ان بھی اساتذہ سے قریبی رشتہ تھا لیکن وہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی سے زیادہ قریب آئے جو

للمصنفین، اعظم گڑھ سے ہوتے ہوئے گجرات کالج (احمد آباد) اور پھر بمبئی کے مشہور اسماعیل یوسف کالج میں پروفیسر تھے۔ غالباً یہ رشتہ اس لحاظ سے بھی مضبوط ہو گیا تھا کہ فریشی صاحب اور ندوی صاحب میں اعظم گڑھ ایک قدر مشترک تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۷ء میں جب انجمن اسلام اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور پروفیسر نجیب اشرف ندوی اعزازی ڈائرکٹر سے انجمن اسلام اردو یونیورسٹی کا قیام عمل کے کل وقتی ڈائرکٹر مقرر ہوئے تو عبدالرزاق فریشی، ندوی صاحب سے مزید قریب ہوئے اور ان کے ذوق علمی اور تحقیق سے دلچسپی کی وجہ سے اسکول میں درس و تدریس کی بجائے اردو یونیورسٹی کی ثبوت میں ان کا تقریر یونیورسٹی اسٹنٹ کی حیثیت سے عمل میں آیا اور اس طرح فریشی صاحب نے اردو یونیورسٹی کی ثبوت سے مسلک ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی علمی اور ادبی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور ”مہادیات تحقیق“، تصنیف کی جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ان کے تحقیقات کا دائرة وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور انہوں نے دیوان عزالت اور مشنوی راگ مala مرتب کی۔ راگ مala متنی تنقید کے اصولوں کی پوری پابندی کے ساتھ مرتب کی۔ اسی طرح مختلف رسائل میں وہ مضامین لکھتے رہے۔ ان کے یہ مضامین تاثرات کے نام سے شائع ہوئے۔ ان مضامین میں سے کئی مضامین ایسے ہیں کہ جن سے انجمن اسلام کی تاریخ اور تعلیمی خدمات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے یا جس کے لئے وہ ایک مأخذ کے طور پر استعمال کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے سوال مکمل ہونے کے بعد ”نواب آزادی“ کے نام سے ایسی اردو نظموں کا گلدستہ مرتب کیا جو ابتداء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک کی نظموں پر مشتمل تھا۔ یہ کام بھی فریشی صاحب کے گھرے مطابع اور تحقیقی اور اک کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ فریشی صاحب نے دو اور اہم کتابیں مرز امظہر جان جاناں اور ان کا اردو کام اور ”اردو کا تمدنی سرمایہ“، بھی تصنیف کی۔ اردو کا تمدنی سرمایہ اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ فریشی صاحب اپنے طلباء میں بہت مقبول تھے اور نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور حوصلہ افزائی کرتے وقت انہوں نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ رقم الحروف سے بھی وہ شفقت کرتے تھے اور میرے کئی ابتدائی مضامین انہی کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے نوائے ادب میں

شائع ہوئے۔ بمبئی سے قریب تاریخی شہر سوپارہ کے انور فشی صاحب کا مضمون جب 'معارف' میں شائع ہوا تو عبدالرزاق قریشی صاحب نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس کی خوب تعریف کی اور اس کے علمی معیار کو بہت سراہا۔ یہ ان کی علمی کشاوریہ دلی تھی ورنہ چشم حسود کی بھی روایتیں ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے محبوب طلباء میں بمبئی کے مشہور ڈاکٹر اور جراح (سرجن) ڈاکٹر عبدالرحیم اندرے بھی ہیں جن کے وہ بڑے مدائح تھے۔ اسی طرح میرے ایک دوست نادر کابلی جو بعد میں پاکستان منتقل ہو گئے، وہ بھی قریشی صاحب کے عزیز شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے شاگردوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ میرے ساتھی اور ہم جماعت نور محمد قریشی، عبدالستار مرچنٹ، شیخ احمد صرف چند نام ہیں جو ہمیشہ عبدالرزاق قریشی صاحب کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ قریشی صاحب نے ابتداء میں بمبئی میں اردو صحافت کی بھی خدمت کی اور مشہور سماجی خاتون اور گاندھی جی کی پیر و مزر کلثوم سایانی کے ہفت روزہ رہبر کی بھی صحافتی خدمت کی۔ انہوں نے اسکول کے بچوں کے لئے نصابی کتابیں بھی مرتب کیں جو بمبئی کے اسکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ان نصابی کتابوں کا معیار بہت بلند تھا۔ قریشی صاحب نے پروفیسر نجیب اشرف ندوی کے انتقال کے بعد نوائے ادب کی بھی ادارت سنپھالی اور اس کے علمی معیار کو فزود تر کیا۔ اپنی شاگردہ رقیہ انعامدار سے نوائے ادب کا اشارہ یہ بھی قریشی صاحب ہی کی دلچسپی کا ثمرہ ہے۔ ندوی صاحب، کے ۱۹۶۹ء میں انتقال کے بعد جب رقم الحروف کو اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ڈائرکٹر شپ کی پیش کش کی گئی تو قریشی صاحب اس پیش کش پر بہت خوش تھے۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ وہ اس پیش کش کے حصے دار بھی تھے۔ اپنی عمر کے آخری حصے میں وہ لمصنفین اعظم گڑھ میں فیلو کی حیثیت سے چلے گئے لیکن عمر نے وفا نہیں کی اور ۳۰ جولائی ۱۹۷۷ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

قریشی صاحب کی زیر نظر کتاب 'مبادیات تحقیق'، ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور طلباء میں بے حد مقبول رہی ہے۔ یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق کا بازار گرم ہے۔ ہر سال سینکڑوں طلباء پی ایچ ڈی کے لئے داخلہ لیتے ہیں اور اس نادر و نایاب کتاب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ بنیادی نوعیت کی یہ کتاب دستیاب نہیں تھی۔ لہذا میں نے انہیں

اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اشاعتی پروگرام میں اسے شامل رکھا تاکہ طلباء اور اساتذہ دونوں اس سے فیضیاب ہو سکیں۔ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کی اشاعت کے لئے میں ڈاکٹر عبدالرحیم اندرے، رقیہ انعامدار (اب رقیہ ڈار) اور میرے دوست جناب شمس الدین آغا (لندن)، غلام حسین حملانی (مبی) نیز ڈاکٹر سعیدہ پیل (ائیمنٹ ڈاکٹر) نجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبی اور ڈاکٹر معزہ (قاضی) دلوی، شعبہ اردو، ممبی یونیورسٹی کا شکرگزار ہوں کہ ان کی دلچسپی اور عملی تعاون مجھے حاصل رہا۔ میں اپنے دوست ڈاکٹر شہاب الدین شاقب (شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کا ان کی علمی معاونت کے لئے شکر گزار ہوں۔ میں ڈاکٹر ظہیر قاضی، صدر نجمن اسلام کا بھی شکرگزار ہوں کہ نجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی کے اشاعتی پروگرام میں ان کی دلچسپیاں شامل ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کی اس دوسری اشاعت کو علمی اور ادبی حلقوں میں پسند کیا جائے گا۔

نجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،
مبی

عبدالستار دلوی
۲۸ دسمبر ۱۴۰۳ء

سر آغاز

یہ رسالہ نوجوان محققوں کے لئے لکھا گیا ہے، خواہ وہ شو قیہ مضامین لکھتے ہوں یا پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے مقالے تیار کرتے ہوں۔ ممکن ہے یہ یونیورسٹی کے بعض رہنماؤں کے لئے بھی مفید ثابت ہو۔ اس میں تحقیق کی مبادیات سے بحث کی گئی ہے اور عملی نقطہ نگاہ اختیار کیا گیا ہے۔ تحقیق اب عام ہوتی جا رہی ہے اور ٹیکنیکل شکل اختیار کر چکی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ یہ رسالہ نوجوان محققوں کے لئے کار آمد ثابت ہو گا۔

رسالہ میں چند تجویزیں جوار دودنیا کے لئے نئی ہیں، تجربہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ اگر انھیں قبول عام حاصل ہو سکا تو میری سعی مشکور ہو گی، ورنہ کم سے کم غور و فکر کا دروازہ تو کھل جائے گا۔

یہ رسالہ فروری ۱۹۶۷ء میں تیار ہو گیا تھا لیکن بعض دقوں کی وجہ سے اس کی طباعت میں دیر ہوئی اور اشاعت کی نوبت اب آرہی ہے۔

عبدالرزاق قریشی

انجمن اسلام اردو یونیورسٹی، بمبئی

۲۵ رب جنوری ۱۹۶۸ء

فہرست مہندر رجات

۱۵	ا۔ دیباچہ
۱۵	۲۔ باب-۱ : فن تحقیق
۱۷	الف - تحقیق کیا ہے؟
۲۲	ب - تحقیق کی خصوصیات
۲۶	ج - محقق کی خصوصیات
۲۷	د - وقت کی تقسیم
۲۸	ھ - تحقیق کی قسمیں
۲۹	۳۔ باب-۲ : لائبریری کا استعمال
۳۳	الف - ڈیوی ڈیسیمبل سسٹم
۳۳	ب - رسالوں سے استفادہ
۳۵	ج - لائبریریوں کے مطبوعہ کشیاگوں سے استفادہ
۳۶	د - ہندوستان کی بعض اہم لائبریریاں
۳۶	۴۔ باب-۳ : آغاز کار
۳۰	الف - موضوع کا انتخاب
۳۱	ب - مأخذ کی فہرست
	ج - بنیادی ذرائع

۳۲	-	سوالنامہ	و
۳۳	-	انٹرویو	ھ
۳۵	-	باب-۳ : مقالہ کی تیاری	۵
۳۵	-	الف - پڑھنے کی اہمیت	
۳۹	-	ب - نوٹ لینا	ب
۵۱	-	ج - چارٹ، نقشے وغیرہ	ج
۵۳	-	باب-۵ : مقالہ کی تسوید	۶
۵۳	-	الف - مواد کی ترتیب	
۵۷	-	ب - مقالہ کی تسوید	ب
۵۹	-	ج - حاشیہ اور حوالہ (فت نوٹ)	ج
۶۳	-	د - پی ایچ، ڈی کام مقالہ	د
۶۵	-	ھ - کتابیات یا فہرست مآخذ	ھ
۶۹	-	و - اشاریہ	و
۷۱	-	باب-۶ : تحقیق و تصحیح متن	۷
۷۲	-	الف - تحقیق متن کی دشواریاں	
۷۳	-	ب - الحاق کلام	ب
۷۵	-	ج - محقق متن کی خصوصیات	ج
۷۷	-	د - نسخوں کی تلاش اور حصول	د
۷۷	-	ھ - نسخوں کے مراتب	ھ
۷۹	-	و - متن کی تحقیق و تصحیح	و
۸۲	-	ز - مقدمہ یا تعارف	ز
۸۳	-	ح - حواشی و تعلیقات	ح
۸۳	-	ط - کتابیات اور اشاریہ	ط

فنِ تحقیق

تحقیق کیا ہے؟

ذہین آدمی غور و فکر کا عادی ہوتا ہے۔ زندگی کے عام مسائل سے متعلق عموماً اور جن مسائل سے اسے دلچسپی ہوتی ہے ان سے متعلق خصوصاً وہ سوچتا رہتا ہے یا سوچنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وہ فطرتیاً ترقی پسند ہے اور اپنے حالات کو بدلنا یا بہتر بنانا چاہتا ہے، اس لئے اس کے دماغ میں نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں یا پرانے مسائل سے متعلق نئے نئے پہلو اور شکوک اس کے سامنے آتے ہیں۔ وہ ان مسائل کو حل کرنا یا شکوک کو دور کرنا یا یقین سے بدلنا چاہتا ہے۔ یہیں سے تحقیق کی ابتداء ہوتی ہے۔ منظم دماغ مسائل کو حل کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور اس وقت تک کوشش کرتا رہتا ہے جب تک وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ جائے۔ اس کے لئے مشتبہ بات ایک جاندار سوال یعنی تلاش بن جاتی ہے اور جذبہ تحقیق سے مدعای کی جستجو پر آمادہ کرتا ہے تاکہ مبہم اور غیر معین بات واضح اور مستحکم ہو جائے۔ لے موجودہ سائنسی دور میں انسان ہر بات کا بدیہی ثبوت بھی چاہتا ہے اور تحقیق یہ ثبوت مہیا کرتی ہے۔ اسی لئے کرافورڈ نے تحقیق کی تعریف

کے سلسلے میں کہا ہے کہ اس کی ابتداء کسی مسئلہ سے ہوتی ہے، پھر وہ مواد جمع کرتی ہے، اس کا تنقیدی تجزیہ کرتی ہے اور صحیح شہادت کی بنابر کسی نتیجہ پر پہنچتی ہے۔^۱ وہ ستر کے لغت میں تحقیق (Research) کے یہ معنی بتائے گئے ہیں: محتاط یا سرگرم تلاش، گہری جستجو۔

انہاک کے ساتھ جستجو یا چھان بین، مخصوص یا عموماً ناقدانہ اور سیر حاصل تفییش یا جستجو جس کا مقصد نئے حقائق کا انکشاف اور ان کی صحیح تاویل اور پھر نئے حقائق کے انکشاف کی روشنی میں مروجہ نتائج، نظریات یا توانیں پر نظر ثانی کرنا یا نئے یا نظر ثانی کئے ہوئے نتائج کا عملی استعمال وغیرہ، نیز کسی شخصیت یا مضمون یا اسی قبیل کی کسی دوسری چیز سے متعلق مخصوص چھان بین جس کے ذریعہ چھان بین کرنے والا اپنا انکشاف پیش کرے۔^۲

آکسفورد ڈاکٹشنری نے تحقیق کے یہ معنی دیے ہیں:

- ۱- کسی مخصوص چیز یا شخص سے متعلق گہری یا محتاط تلاش کا عمل
- ۲- کسی حقیقت کے انکشاف کی غرض سے محتاط غور و فکر یا کسی مضمون کے مطالعہ کے ذریعہ تلاش یا چھان بین، ناقدانہ یا سائنسی سلسلہ تلاش۔
- ۳- کسی مضمون کی چھان بین یا مسلسل مطالعہ
- ۴- دوسری بار یا بار بار کی تلاش۔

تحقیق حقائق کی تلاش ہے اس لئے آلمک کے قول کے مطابق ہر قسم کی تفییش یا چھان بین کو جو بنیادی ذرائع سے کی گئی ہو، تحقیق کہا جاسکتا ہے۔^۳

لیکن محض مواد جمع کر لینا یا اسے ترتیب دے دینا تحقیق نہیں ہے۔ اسی طرح کسی حقیقت کا پتہ لگالینا تحقیق نہیں ہے، بلکہ اس کے اثرات کا کھون لگانا ضروری ہے کیونکہ تحقیق

^۱ The Eizmets of Research, F. L. Whitney، باب ۱، ص ۲۱

^۲ Webster's New International Dictionary of the Eng. Langugae، چاپ دوم

^۳ A New English Dictionary on Historical Principles، جلد ۸

^۴ Research and Thesis Writing C.C. Almack، باب ۱، ص ۱۱

نشوونما کا مظہر ہے اور اس کا حصل ارتقا ہے۔ لے شکا گو یونیورسٹی کے ایک سابق چانسلر R. M. Hutchins نے صحیح کہا تھا کہ ایسی تحقیق کے لئے جس کا مقصد صرف مواد جمع کرنا ہے، یونیورسٹی میں کوئی جگہ نہیں..... وہ تحقیق جو تجربی مواد جمع اور استعمال کرے اور جس کے ذریعہ اصولوں کا نشوونما، وسعت اور بہتری ہو، یونیورسٹی کی بہترین سرگرمیوں میں داخل ہے اور اس میں یونیورسٹی کے تمام اساتذہ کو مشغول رہنا چاہئے۔^۱

ان مختلف جامع تعریفوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ تحقیق کا مقصد (۱) نامعلوم حقائق کی تلاش اور (۲) معلوم حقائق کی توسعی یا ان کی خامیوں کی تصحیح ہے۔ ان دونوں کا نتیجہ حدود علم کی توسعی ہے اور حدود علم کی توسعی انسانی ترقی کا باعث ہے۔ اسی لئے کلی کی رائے میں تحقیق سب سے مشکل کام ہے جسے سماج نے دوسری تمام سرگرمیوں سے ممیز کیا ہے اور جس میں صرف چند لوگ مشغول رہتے ہیں۔ وہ کسی نئے اکتشاف کو جنگ میں مارے جانے یا مذہب کے لئے زندگی وقف کر دینے پر ترجیح دیتے ہیں۔^۲

تحقیق کی خصوصیات:

کرافورڈ نے تعلیمی تحقیق کی مندرجہ ذیل نو خصوصیات بتائی ہیں۔ ان میں سے اکثر علمی و ادبی تحقیق کے لئے بھی اہم اور ضروری ہیں۔

- ۱۔ اس کا مرکز کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔
- ۲۔ اس میں کوئی نئی بات کہی جاتی ہے۔
- ۳۔ اس کا دار و مدار جستجو پسندوں اور دماغی رجحان پر ہے۔
- ۴۔ اس کے لئے کھلے دل و دماغ کی ضرورت ہے۔
- ۵۔ اس کا انحصار اس مفروضہ پر ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں تبدیلی ممکن ہے۔

۱- Scientific Method, T. L. Kelley, باب ۱، ص

۲- F. L. Whitey, The Higher Learning in America, R. M. Hutchins، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۲۰۰

۳- T. L. Kelly, کتاب مذکور، باب ۱، ص ۳

۶۔ اس کا مقصد قوانین کا اکٹھاف کرنا اور پھر انہیں عام بنانا ہے۔

۷۔ یہ سبب اور اثر کا مطالعہ ہے۔

۸۔ اس کی بنیاد پیمانہ پر ہے۔

۹۔ اس کے لئے ایک بیدار فنی طریقہ کار لازمی ہے۔^۱

تحقیقی مقالہ میں کوئی علمی مسئلہ حل کیا جاتا ہے یا کوئی نئی بات کہی جاتی ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بات کہی جائے وہ بنیادی طور پر نئی ہو۔ ایک بات پہلے کہی جا چکی ہے۔ اس میں جدید معلومات کا اضافہ بھی تحقیق ہے۔ جو بات پہلے کئی گئی ہے اگر اس میں غلطی یا غلطیاں ہیں تو ان کی تصحیح بھی تحقیق ہے۔ مسئلہ کے کسی نئے پہلو پر بحث کرنا یا روشنی ڈالنا بھی تحقیق ہے۔ کسی طے شدہ مسئلہ پر دوبارہ روشنی ڈالنا بھی تحقیق ہے۔ قدیم تحقیقات کو، وہ علم کی کسی شاخ سے تعلق رکھتی ہوں، نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ موجودہ ترقی کا سرا اگر تلاش کیا جائے تو وہ ماضی کے دھند لکے میں ملے گا۔ Boyd کے حوالے Methods of Research کے مصنفوں نے

سے لکھا ہے کہ تھامس ایڈیسن نے یہ اصول بنایا تھا کہ پہلے یہ پتا گاؤ کہ اس موضوع پر دوسروں نے کیا کام کیا ہے اور پھر وہاں سے شروع کر دجہاں دوسروں نے ختم کیا ہے۔ ۲ یہ اصول علمی و ادبی تحقیق کے لئے بھی یکساں اہم ہے۔ محقق کے منتخب کئے ہوئے موضوع پر جو کام ہو چکا ہے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ دوسروں کے کام کا جائزہ لینے کے بعد ہی موضوع کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا۔ یا جیسا کہ آلمک نے کہا ہے، دوسروں کے کام کے جائزہ کے بعد ہی محقق اپنی تحقیق کی جدت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ ۳ مشہور انگریزی شاعر بائرن نے تخلیقی کام کرنے والوں کے متعلق جو بات کہی تھی وہ تحقیقی کام کرنے والوں پر بھی صادق آتی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ جدت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ادیب سوچے زیادہ اور پڑھے کم۔ لیکن یہ

۱ F. L. Whitney، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۲۲، ۲۵، ۲۵، بحوالہ C.C. Crawford، The Technique

of Research in Education

۲ C.V. Good and D. E. Scates، Method of Research، باب ۲، ص ۲۲، Research

۳ T. A. Boyd، ص ۷۲

۴ J. C. Almack، کتاب مذکور، باب ۹، ص ۲۲۳

ناممکن ہے۔ سوچنے سے پہلے اس نے بہت کافی پڑھ لیا ہوگا۔^۱ جائزہ لینے کے علاوہ، نئے محقق کو ماہر محققین کی تصانیف کو نمونہ کے لئے بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ اچھی تحقیق کا صحیح تصور پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین طریقہ ہے۔ اگر ماہر محققین کے ذاتی تجربے اور تجویزیں، ان کا مضمون چاہے کچھ بھی رہا ہو، تحریری شکل میں مل سکیں تو ان سے بھی استفادہ کرنا چاہئے۔ یہ تجربے نئے محققین کے لئے چراغِ راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ مثلاً فرانس بیکن نے اپنی طبیعت کا تجزیہ اس طرح کیا تھا: مجھ میں جستجو کی خواہش تھی۔ میں شکوہ پر تأمل کرتا تھا۔ مجھے غور و فکر سے دلچسپی تھی۔ میں اپنے نظریے کو پیش کرنے میں عجلت نہیں کرتا تھا۔ میں دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے آمادہ رہتا تھا اور اپنے خیالات کو پیش کرنے اور ترتیب دینے میں احتیاط برداشت کرتا تھا۔ یہ خصوصیات مجھے فطرت کی طرف سے عطا یہ مل تھیں۔^۲ اسی طرح چارلز ڈارون کا یہ بیان کہ میری عادتوں کی باقاعدگی نے میرے مخصوص کام میں مجھے کم فائدہ نہیں پہنچایا۔^۳ نوجوان محقق کے لئے سودمند ثابت ہو سکتا ہے۔

تحقیق میں جذبات یا قیاس آرائی کو خل نہیں ہونا چاہئے اور نہ اسے حمایت یا مخالفت سے واسطہ رکھنا چاہئے۔ محقق کا نقطہ نگاہ اور طریقہ کار سائنسی ہونا چاہئے۔ سائنسی نقطہ نگاہ وہ نقطہ نگاہ ہے جو مشتبہ حقائق سے لطف اٹھا سکے۔ سائنسی طریقہ کار کے ذریعہ آدمی شک کو واضح تلاش کے عمل میں تبدیل کر کے باراً اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ جس آدمی کو غور و فکر سے عشق نہیں وہ ذہنی طور پر ترقی نہیں کر سکتا اور جسے مسائل سے دلچسپی نہیں اسے 'غور و فکر سے عشق' نہیں ہوتا۔ مسائل سے دلچسپی ذہنی تجسس کا باعث ہوتی ہے اور ذہنی تجسس آدمی کو جلد بازی سے باز رکھتا ہے اور نئے حقائق کے لئے سرگرم تلاش (تحقیق) کی ترغیب دلاتا ہے۔^۴ سائنسی طریقہ کار صرف سائنس کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ سائنس ایک لاطینی لفظ ہے جس کے معنی ہیں جانا۔

^۱- C.V. Good and D. E. Scartes, کتاب مذکور، باب ۲، ص ۵۲

^۲- Francis Bacon, C. D. Bowen, تعارف، ص ۸

^۳- Life and Letters of Charles Darwin, Francis Darwin, جلد ۱، باب ۲، ص ۱۰۶

^۴- John Dewey, کتاب مذکور، باب ۹۱، ص ۷۱۷، ۲۱۸

اس لئے علم و فن کی ہرشاخ سائنس کبھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ قدیم زمانہ میں سائنس اور علم ہم معنی الفاظ تھے۔ بقول پیر سن سائنس کا میدان بے کنار ہے۔ اس کے مواد کی حد نہیں۔ مظاہرِ فطرت کی ہرشاخ، معاشرتی زندگی کا ہر پہلو، قدیم و جدید تر قیوں کی ہر منزل سائنس کے حدود میں آتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ حقائق کو سائنس نہیں کہتے بلکہ ان حقائق کو برتنے کا طریقہ سائنس ہے۔ حقائق میں انسان کی علمی ترقی کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کل کے بہت سے حقائق آج غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ انسان کی علمی ترقی آج کے بہت سے حقائق کو بھی غلط ثابت کر سکتی ہے۔ اس لئے اہمیت طریقہ کارہی کی ہے۔ سائنس پوری کائنات کو اپنے احاطہ میں لینے کی دعویدار ہے اور اس بات کی مدعی ہے کہ سائنسی طریقہ کار علم و فن کی اقلیم تک پہنچنے کا تہاراستہ ہے۔^۱ اسی لئے پیر سن کا مشورہ ہے کہ سائنسی طریقہ کار کی عادت ہر شخص کو ڈالنا چاہئے۔ ان کی رائے میں یہ طریقہ اچھی شہرت کے لئے لازمی ہے۔^۲ یہ طریقہ اختیار کرنے سے کام نہ صرف منظم و مرتب ہو گا بلکہ جو نتیجہ اخذ کیا جائے گا وہ محقق کے ذاتی رجحان یا روایتی اثر سے آزاد ہو گا۔ اس کی ابتداء یہ صحیح نتیجہ حاصل کرنے کے عزم سے ہوئی ہے۔ اس لئے جہاں تحقیق ہے وہاں سائنس ہے اور جہاں مظاہرِ فطرت ہیں وہاں تحقیق ہے۔^۳ تحقیق میں قیاس آرائی کو تو دخل نہیں لیکن تخيّل کی کار فرمائی ضروری ہے۔ تخيّل محقق کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا شاعر کے لئے۔ اسی کی مدد سے وہ نئی نئی باتیں سوچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مستقبل کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ تخيّل منظم ہونا چاہئے۔ یہی منظم تخيّل ہے جو تمام عظیم سائنسی اکتشافات میں کام کرتا ہے۔ جس شخص کے پاس تخيّل نہیں وہ حقائق کو جمع تو کر سکتا ہے لیکن اکتشافات نہیں کر سکتا۔ یہ غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ اکتشافات اتفاقی ہوتے ہیں۔ ہزاروں میں ایک اکتشاف اس طرح ہوا ہو گا ورنہ عموماً وہ اتفاقی نہیں ہوتے۔

۱۔ The Grammer of Science, Karl Pearson، تعارف، ص ۱۶

۲۔ ایضاً، ص ۲۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۲

۴۔ C.V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۱۲

۵۔ Karl Pearson، کتاب مذکور، تعارف، ص ۳۱

اکتشاف محقق کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

وہنی کی رائے ہے کہ مفکرانہ خیالات، سائنس اور تحقیق میں بڑی یکساںیت ہے۔^۱ کرافورڈ تحقیق کو غور و فکر کا منظم و مرتب اور پاکیزہ طریقہ بتاتے ہیں۔^۲ خیالات میں تسلیم و تنظیم و ترتیب حقیقت میں مفکرانہ خیالات، ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ مفکرانہ خیالات سے مراد کسی عقیدہ یا علم کی کسی شاخ سے متعلق وہ سرگرم، مسلسل اور محتاط غور و فکر ہے جو ان اسباب کی روشنی میں جو اس کی تائید کرتی ہیں اور ان نتائج کی روشنی میں جن کی طرف وہ مائل ہو، کی جائے۔^۳ مفکرانہ خیالات غور و فکر کے دوسرے طرزِ عمل کے برخلاف دو باتوں پر مشتمل ہیں۔

(۱) شک، تذبذب اور دماغی الجھن کی حالت جس میں غور و فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۲) ایسے مواد کی تلاش و جستجو اور چھان بین جو شک کو رفع اور تحریر کو دور کرے۔^۴

تحقیق نہ صرف شک کو رفع اور تحریر کو دور کرتی ہے بلکہ آدمی کے لئے نئی نئی راہیں کھولتی ہے۔ وہ مسائل کو حل کرتی اور گھنٹیوں کو سلجنھاتی ہے۔ وہ خامیوں کو دور کرتی اور خوب کو خوب تر بناتی ہے۔ وہ آئین نو کی قدر سکھاتی ہے وہ انسان کے مقاصد کی تکمیل میں معین ثابت ہوتی ہے۔^۵ مصنفوں کو اس پر اس قدر اعتماد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب تک تحقیق کا وجود ہے مغربی تہذیب کو زوال نہیں آ سکتا۔^۶ انہوں نے صحیح کہا ہے کہ مختلف شعبوں میں تحقیق کی بنابریم اپنے خیالات کو وسعت دے سکتے ہیں، یہاں تک کہ عہد رفتہ کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ سکتا ہے۔ اسی کی بدولت ہم دنیا کی گوناگوں تہذیبوں کو اپنا سکتے ہیں۔ غیر مرئی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں، فضائے بسیط کے اسرار کا اکتشاف کر سکتے ہیں۔ اس طرح تحقیق آدمی کو پوری کائنات سے رشتہ جوڑنے میں مدد دیتی ہے۔^۷

۱۔ F. L. Whitney، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۲۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۱

۳۔ How We Think، John Dewey، باب ۱، ص ۹

۴۔ John Dewey کتاب، مذکور، باب ۱، ص ۱۲

۵۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۱۸

۶۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱، ص ۱۸

موجودہ دور کی بہت سی ذہنی و مادی ترقیوں کا سبب یہی تحقیق ہے۔ ریل اور جہاز کی تیز رفتاری نے سفر اور رسائل میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ انجینئرنگ کے کارناموں نے اولادِ آدم کو بہوت کر رکھا ہے۔ بھلی کی روشنی سے تاریک دیہات جگنگانے لگے ہیں۔ ریڈ یو اور ٹرانزسٹر نے ایک ملک کو دوسرے ملک سے بہت قریب کر دیا ہے۔ ریگ راز سر بزو و شاداب میدانوں میں تبدل ہو رہے ہیں۔ بخوبی میں اہلہ ہاتے ہوئے کھیتوں میں بدل رہی ہیں۔ بہت سے خطرناک امراض کا تقریباً خاتمه ہو چکا ہے یا ان کا کامیاب علاج تلاش کیا جا چکا ہے۔ غرض علوم و فنون کی ترقی، تعلیم و تربیت کے ماہرائے طریقے، زندگی کی راحت کے سامان کی فراوانی، انسانی دکھوں کا علاج اور مشکلات کا حل تحقیق ہی کی بدولت ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ تحقیق کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔

محقق کی خصوصیات:

محقق کا مطالعہ بہت وسیع ہونا چاہئے۔ اپنے مخصوص مضمون کے علاوہ اسے متعلق مصایب کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے۔ مثلاً اردو کے محقق کو فارسی لازمی طور پر جانے کی ضرورت ہے۔ عربی جانتا بھی اس کے لئے مفید ثابت ہو گا۔ قدیم اردو سے متعلق اودھی، برج، ہریانی وغیرہ سے واقفیت کے بغیر تحقیق ناقص ہو گی۔ ادب کے محقق کے لئے عہد متعلقہ کے تاریخی، معاشری و معاشرتی حالات کا علم بھی ضروری ہے۔ اسے عروض، مبادیاتِ فلسفہ و تصوف وغیرہ سے بھی واقف ہونا چاہئے۔ اسی طرح تاریخ کے محقق کو جغرافیائی علوم، معاشیات اور سماجی علوم کا مطالعہ لازماً کرنا ہو گا۔ متعلقہ علوم یا مصایب کے مطالعہ کے لئے اس وسعت یا گہرائی کی ضرورت نہیں جو اصلی مضمون یا موضوع کے لئے ضروری ہے۔ وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ گہری نظر، تنقیدی شعور اور دیانت کی بھی ضرورت ہے۔ واقعات کو توڑ مرؤڑ کر پیش کرنا یا حقائق پر پردہ ڈالنا تحقیقی دیانت کے خلاف ہے۔ بے تعصب یا بے لوث ہونے کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ مصنف تہذیبی حیثیت سے بہت بلند مرتبہ کا حامل ہو اور اپنے متوقع کتاب خوانوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ دوسری بات یہ کہ اس کی قوت ارادی اسے

بے لوث ہونے پر مجبور کرے۔

تحقیق کے لئے ذاتی دلچسپی ضروری ہے۔ ذاتی دلچسپی کے بغیر اعلا درجہ کی تحقیق نہیں ہو سکتی۔ تحقیق کا مادی معاوضہ کچھ نہیں ہے۔ اس کا بہترین معاوضہ وہ مسرت ہے جو محقق کو اپنی کامیابی پر ہوتی ہے۔ گلیسو طب کا پروفیسر تھا، لیکن ریاضی اور علوم طبعی سے دلچسپی کی بنا پر اس نے طب کی معقول مشاہرہ کی پروفیسری چھوڑ دی۔ ہرشیل موسیقار تھا، لیکن اسے علم نجوم سے دلچسپی ہوئی اور دور میں بنانے کا شوق ہوا اس لئے وہ موسیقی کو ترک کر کے تحقیق کی طرف مائل ہوا جس کا نتیجہ یورانس سیارہ کی دریافت اور بڑے سائز کی دور میں کی ایجاد تھی۔ اذورڈ براؤن کو فارسی ادب سے لگاؤ پیدا ہوا تو نھوں نے طب کو خیر باد کہا اور اپنی زندگی کا بیشتر حصہ فارسی ادب کی تحقیق میں گزارا اور اس میں وہ کمال حاصل ہوا کہ ایران کے علمائے ادب نے انگلی استادی کو تسلیم کیا۔ (مولانا) شبلی نے وکالت کا نفع بخش پیشہ چھوڑ کر علم و ادب کی تحقیق کو واپسیا۔ ان کا شوق تحقیق انھیں مصرو شام و ترک تک لے گیا۔ (مولانا) سید سلیمان ندوی نے کالج کی آرام دہ اور معقول تخلواہ کی ملازمت ترک کر کے ساری عمر دار المصنفین کی علمی خانقاہ میں ایک معمولی مشاہرہ پر گزار دی۔ جسٹس سر شاہ سلیمان دن بھر عدالت میں قانونی گھنیاں سلبھایا کرتے تھے، لیکن گھر پر فرصت کے لمحات میں ریاضی کے مسائل حل کیا کرتے تھے۔ ایران کے موجودہ دور کے ایک نامور محقق آقا سعید نقیسی نے طبابت کو تحقیق ادب پر قربان کر دیا تھا۔

تحقیق کے لئے شوق اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ سخت محنت کی بھی ضرورت ہے۔ مواد کی گردآوری میں نہ صرف کتابوں، مخطوطوں وغیرہ کے اور اق اللہا ہوتے ہیں بلکہ ہر قسم کی راحت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق میں صبر آزمائ محنت کی ضرورت ہے۔ مشہور جرمن مؤرخ رینکے (Ranke) اکیانوے برس کی عمر تک کام کرتا رہا۔ اس کے دونوں جوان مددگار جو باری باری سے اس کے ساتھ رہتے تھے، اس کے ساتھ کام کرتے کرتے تھک جاتے تھے۔ کیونڈش کی محنت و انبہاک کی یہ حالت تھی کہ اس کا دوپہر کا کھانا ایک سوراخ کے ذریعہ اس کے

کمرے میں رکھ دیا جاتا تھا تاکہ اس کے کام میں خلل نہ پڑے۔ سرید احمد خاں نے دہلی کی عمارتوں کی تاریخ لکھنے کے سلسلے میں جو محنت و جان فشانی کی تھی اس کا اندازہ (مولانا) حالی کے مندرجہ ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

..... ”سرید کہتے تھے کہ قطب صاحب کی لائٹ کے بعض کتنے جو زیادہ بلند ہونے کے سبب نہ پڑھے جاسکتے تھے۔ ان کے پڑھنے کو ایک چھینکا دو بلیوں کے نقچ میں ہر ایک کتبہ کے محاذی بندھوا دیا جاتا تھا اور میں خود اوپر چڑھ کر اور چھینکے میں بیٹھ کر کتبے کا چرب اتارتا تھا۔ جس وقت میں چھینکے میں بیٹھتا تھا تو مولانا صہبائی فرطِ محبت کے سبب بہت گھبراتے تھے اور خوف کے مارے ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔“^۱

حافظ محمود خاں شیرانی کی جفاکشی اور ساتھ ہی سادگی کا اندازہ ان کے ایک ممتاز ہم عصر شیخ عبدالقدار کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ۔ شیخ صاحب شیرانی صاحب سے ملنے ان کے مکان پر گئے۔

”گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کے بعد کا وقت وہ ایک ہلکا سا بنیان پہنے ہوئے تھے اور کمر کے گرد صرف ایک چھوٹا ساتھ بند باندھے بیٹھے تھے۔ پنکھانہ دستی نہ بھلی کا۔ نہ گرنی سے بچنے کی فکر نہ پروا۔ کتابیں اور وہ۔ گرد و پیش فرما میں اور سکے۔ یہ پروفیسر محنت کے لحاظ سے مغربی پروفیسریوں سے زیادہ (جفاکش) اور آسائش اور ماندو بود میں میں کسی غریب مسجد کے ملا سے زیادہ سادہ تھا۔“^۲

تحقیق میں وقت کا سوال بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نوجوان محقق چاہتا ہے کہ اس کا مقالہ جلد سے جلد مکمل ہو جائے اور وہ اپنے کار و بار میں لگ جائے۔ لیکن تحقیق کا تقاضا اس کے

۱۔ ایضاً، ص ۵۶

۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، پہلا حصہ، دوسرا باب، ص ۳۸

۳۔ شیخ عبدالقدار، ”حافظ محمود شیرانی مرحوم“، اور بیتل کالج میگزین، جلد ۲۳، عدد ۲، ص ۷

بر عکس ہے۔ عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب۔ تحقیق کے لئے طویل وقت کی ضرورت ہے۔ سامنی تحقیق کو جانے دیجئے کہ اس میں تجربے اکثر رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں۔ تاریخی، معاشرتی، ادبی تحقیق وغیرہ کی تکمیل میں بھی مدینیں گذر جاتی ہیں۔ صرف دو مشائیں کافی ہوں گی۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے حضرت عمرؓ کے خطوط، خطبات اور حکیمانہ اقوال کو جمع کرنا شروع کیا۔ گذشتہ ۳۰-۳۵ برس میں انہوں نے اس کام کی تکمیل کے لئے خدا معلوم کیا کیا اور کہاں کہاں سے مواد جمع کیا ہے۔ یہ کام جوانہوں نے اپنی جوانی میں اور اپنی تصنیفی زندگی کے آغاز میں شروع کیا تھا، آج تک مکمل نہیں ہوا، حالانکہ سینکڑوں صفحات کا مسودہ لکھا پڑا ہے۔ انگلستان کی ایک خاتون ہیلین ڈربی شائر نے تیس سال صرف کر کے ملٹن کی Paradise

Lost کا ایک مستند اڈیشن تیار کیا جسے آسکفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا ہے۔

لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ تحقیق کو لازمی طور پر طول دیا جائے۔ اس قسم کی مشائیں بھی موجود ہیں کہ ایک اہم موضوع پر مختصر سی مدت میں تحقیق کامل ہو گئی۔ مثلاً اپنی تمام مشکلوں اور رکاوٹوں کے باوجود "آثار الصنادید" کا پہلا اڈیشن ڈیڑھ برس کے اندر اندر چھپ کر تیار ہو گیا۔^۱

آیووا(Iowa) کی ریاستی یونیورسٹی نے ۱۹۲۲ء میں محقق طلبہ کی صلاحیتوں کو جانچنے کے لئے ایک کارڈ بنایا تھا۔ اس میں دس شرطیں رکھی تھیں اور ہر شرط کے لئے نمبر مقرر کئے تھے۔ یہ شرطیں حقیقتاً سامنی مضمایں میں تحقیق کے لئے ہیں۔ لیکن غیر سامنی مضمایں میں تحقیق کرنے والے طلبہ کا بھی ان شرطوں پر پورا اترنا یکساں ضروری ہے۔ نیچے ان شرطوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ قوتِ استدلال: مسائل کو استخراجی اور استقرائی دونوں طریقوں سے حل کرنے کی صلاحیت

۲۔ جدت: قوتِ اختراع، ذکاوت، منظم اقدام اور معقول اذکار کی زرخیزی

۱۔ مالک رام و مختار الدین احمد (مرتبہ) "ذکر عرشی"، نذر عرشی، ص ۱۸

۲۔ خواجہ الطاف حسینی خاں، کتاب مذکور، پہلا حصہ، دوسرا ایاب، ص ۳۸

- ۳۔ حافظہ: حقائق کا وسیع، منطقی، کارآمد اور فوری اظہار
- ۴۔ چستی: تیز اور اثرپذیر مشاہدہ، فکر اور احساس
- ۵۔ صحت: بچاتلا، نیز، متناسب اور قابلِ اعتماد مشاہدہ فکر اور احساس
- ۶۔ کاوش: قوتِ ارتکاز، مسلسل توجہ، استقلال اور با اصول کو شش
- ۷۔ اشتراک: ذہنی رفاقت اور مل کر کام کرنے اور رہنمائی کی صلاحیت
- ۸۔ اخلاقی رجحان: ذہنی دیانت، صحت بخش اخلاقی معیار، محض نظر اور اثرات
- ۹۔ تندرستی: عضلاتی استحکام، جسمانی ساخت، قوتِ حیات اور قوتِ برداشت
- ۱۰۔ تحقیق کے لئے شوق اور سرگرمی: طبع زاد اور تخلیقی کام سے گھری دلچسپی اور اس کی خواہش۔۔۔

ان شرطوں میں علمی و ادبی تحقیق کے نقطہ نگاہ سے مندرجہ ذیل شرطیں نسبتہ زیادہ اہم ہیں:

قوتِ استدلال، جدت، حافظہ، اخلاقی رجحان، تحقیق کے لئے شوق اور سرگرمی

وقت کی تقسیم:

ریسرچ اینڈ رپورٹ رائمنگ (Research and Report Writing) کے مصنفین نے پی ایچ ڈی کے طلبہ کے لئے ایک مفید اور عملی ہدایت دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تحقیق کے مختلف پہلوؤں یا منزلوں کو اپنے محدود وقت میں تقسیم کر دینا چاہئے۔ ان کی رائے میں دو تہائی حصہ کو مواد کی تلاش اور فراہمی کے لئے اور ایک تہائی کو مقالہ لکھنے کے لئے مخصوص کرنا چاہئے۔ اس کی مفصل تقسیم انہوں نے اس طرح کی ہے:

مواد کی تلاش:

- ۱۔ موضوع کا انتخاب
- ۲۔ پس منظری مطالعہ
- ۳۔ عارضی فہرست آخذ تیار کرنا
- ۴۔ عارضی خاکہ
- ۵۔ پڑھنا اور نوٹ لینا
- ۶۔ نوٹوں کو ترتیب دینا

ب - مقالہ لکھنا:

- | | |
|--------------------------------------|------------------------|
| ۱- جمع کئے ہوئے مواد کا تنقیدی جائزہ | ۲- آخری خاکہ تیار کرنا |
| ۳- پہلا مسودہ | ۴- نظر ثانی |
| ۵- آخری فہرست مآخذ تیار کرنا | ۶- آخری مسودہ |

تحقیق کی قسمیں

انسان کی زندگی میں تنوع ہے اس لئے اس کے مسائل میں بھی تنوع ہے، مثلاً علمی مسائل، معاشرتی مسائل، تعلیمی مسائل وغیرہ۔ چوں کہ مسائل میں تنوع ہے اسلئے موضوعات کی تحقیق میں بھی تنوع ہے، یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں تحقیق ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ عموماً اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) علمی تحقیق (۲) عملی تحقیق۔

علمی تحقیق میں سارے علوم و فنون شامل ہیں۔ عملی تحقیق کو حرفیاتی (مکنالاجیکل) تحقیق بھی کہتے ہیں۔ آئینہ صفحات میں صرف علمی تحقیق اور خصوصاً اردو ادب کی تحقیق کے نقطہ نگاہ سے گفتگو کی جائے گی۔



لائبریری کا استعمال

سیمیول جانسن کا مشہور قول ہے کہ ایک کتاب کی تصنیف کے لئے مصنف آدھی لائبریری چھان مارتا ہے۔ لائبریری کا استعمال اور اس کی اہمیت و افادیت جانسون کے زمانہ سے موجودہ دور میں بہت بڑھ گئی ہے۔ کوئی محقق، نوجوان ہو یا تجربہ کار، اس کا موضوع خواہ کسی مضمون سے تعلق رکھتا ہو، لائبریری سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مواد کی فراہمی کے لئے اسے یہیں آنا پڑے گا۔ لائبریریں اور لائبریری کے عملہ کے دوسرے افراد عموماً محقق کے ساتھ شوق اور دلچسپی سے تعاون کرتے ہیں۔ لیکن ان کو بار بار تکلیف دینا مناسب نہیں۔ اس میں محقق کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ لائبریری کے طریق کار سے خود واقف ہو اور صرف غیر معمولی حالات میں لائبریریں یا کسی دوسرے سے مدد لے۔

ہر بڑی لائبریری میں دو طرح کی کتابیں ہوتی ہیں: (۱) حوالہ کی کتابیں، (۲) عام مطالعہ کی کتابیں۔

حوالہ کی کتابیں عموماً کھلی الماریوں میں رکھی ہوتی ہیں تاکہ ہر اسکالر جب چاہے اور

جتنی بار چاہے انھیں آسانی سے دیکھ سکے۔ یہ کتابیں لائبریری سے باہر نہیں جاسکتیں۔ حوالہ کی کتابوں میں انسائیکلو پیڈیا، ڈسٹرکٹ گزیئر، لغات، لائبریریوں کے مطبوعہ کٹیلاگ وغیرہ ہوتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا نوجوان محقق کے لئے خصوصاً مفید ہے۔ اس کے ہر مضمون کے آخر میں مآخذ کی ایک منتخب فہرست ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ آسانی سے قدم آگے بڑھا سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا یا زیادہ تر انگریزی میں ہیں، لیکن اردو کے انگریزی دان محققین بھی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور انھا تے ہیں۔ اردو میں 'دارالعرف اسلامیہ' کے نام سے پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام لاہور (پاکستان) میں ایک جامع انسائیکلو پیڈیا چھپ رہی ہے۔ اسکے چند اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔

عام مطالعہ کی کتابیں لکر کے توسط سے منگائی جاتی ہیں اور انھی کو منگانے کے لئے لائبریری کے طریق کار سے واقفیت ضروری ہے۔

ڈیوی ڈیسیمبل سسٹم:

موجودہ دور میں بڑی اور اچھی لائبریریوں میں عموماً ڈیوی ڈیسیمبل سسٹم کا چلن ہے۔ یہ طریقہ میلول ڈیوی (Dewey Melvil) کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس میں کتابوں کی ترتیب کے لئے ڈیسیمبل (اعشاریہ) استعمال کیا جاتا ہے۔ کتاب کا نام اور ضروری تفصیلات ایک کارڈ پر ہوتی ہیں۔ ہر کتاب کے لئے تین کارڈ ہوتے ہیں: پہلا مصنف کے نام کا کارڈ، دوسرا کتاب کے نام کا اور تیسرا موضوع کا۔ انجمن، سوسائٹی، کمیٹی وغیرہ کا نام مصنف کے طور پر استعمال ہوتا ہے، بشرطیکہ روئیدار یا رسالہ پر مرتب کا نام نہ ہو۔ مآخذ کی عارضی فہرست تیار کرتے وقت چوں کہ نوجوان محقق اپنے موضوع سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتا اس لئے تیسرا کارڈ اس کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ موضوع کے کارڈ دیکھ کر وہ پتا گا سکتا ہے کہ اس کے کام کی کون کون سی کتابیں لائبریری میں موجود ہیں۔ نیچے تینوں کارڈوں کے نمونے دئے جاتے ہیں:

۹۵۲

احم

سید احمد خاں

آثار الصنادید، مطبوعہ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۸۷۶ء

صفحات: ۹۸ + ۲۳ + ۳۲ + ۱۳۲

۲۲۰۶

۹۵۲

احم

آثار الصنادید

سید احمد خاں

۱۸۷۶ء

۹۵۲ / احـمـ

سید احمد خاں

پہلے اور دوسرے کارڈوں میں دائیں طرف (انگریزی میں باعیں طرف) کثیلاگ کا نشان ہے۔ یہ نشان بتاتا ہے کہ کتاب کس جگہ ہے۔ کتاب منگاتے وقت سلپ پر یہ نشان لکھنا ضروری ہے۔ اسے انگریزی میں Call Number کہتے ہیں۔ پہلے کارڈ میں یونچے باعیں طرف داخلہ نمبر ہے جسے انگریزی میں Accession Number کہتے ہیں۔

مصنف وار کارڈ ہمیشہ اسی ترتیب سے رکھے جاتے ہیں:

۱۔ مکمل مجموعہ تاریخی ترتیب سے

- ۲- مکمل مجموعہ کے انتخابات
- ۳- الگ الگ تالیفات حروف تھجی یا ابجد کے لحاظ سے
- ۴- الگ الگ تالیفات کسی اور مصنف کی شرکت کے ساتھ
- ۵- ترجمے یا مرتبہ کتابیں
- مصنف کی تصنیفات و تالیفات کے بعد اس پر جو تصنیفات و تالیفات ہوتی ہیں ان کے کارڈ ہوتے ہیں۔

ڈیوی ڈیسیمیل طریقہ میں تمام مضامین کو دس حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو دس ذیلی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مختلف مضامین کی تقسیم حسب ذیل ہیں:

۰۹۹ — متفرقات ۰۰۰

۱۹۹ — فلسفہ ۱۰۰

۲۹۹ — مذہب ۲۰۰

۳۹۹ — سماجی علوم ۳۰۰

۴۹۹ — لسانیات ۴۰۰

۵۹۹ — طبیعتات ۵۰۰

۶۹۹ — مفید فنون ۶۰۰

۷۹۹ — فنون لطیفہ ۷۰۰

۸۹۹ — ادب ۸۰۰

۹۹۹ — تاریخ، سفر نامہ، سوانح عمری ۹۰۰

ادبی تحقیق کے لئے جس زمرہ کی ضرورت ہے وہ ۸۹۹ ۸۰۰ - ۸۰۰ ۸۹۹ ہے۔ اس زمرہ کو مندرجہ ذیل مزید دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۸۰۹ — متفرقات ۸۰۰

۸۱۹ — امریکی ادب ۸۱۰

۸۲۹ — انگریزی ادب ۸۲۰

جمن ادب	830 — 839
فرانسیسی ادب	830 — 839
اطالوی ادب	850 — 859
ہسپانوی ادب	860 — 869
لاطینی ادب	870 — 879
یونانی ادب	880 — 889
دوسری زبانوں کے ادب	890 — 899

ڈیوی ڈیسیمبل ستم امریکا کی ایجاد ہے اس لئے اس میں صرف امریکا اور یورپ کی زبانوں کو جگہ دی گئی ہے۔ لیکن چوں کہ یہ طریقہ ساری دنیا کے فائدہ اور سہولت کی خاطر ایجاد کیا گیا تھا اس لئے آخری نمبر (دوسری زبانوں کے ادب) اس طرح رکھا گیا کہ ایشیا اور افریقا کی مختلف زبانیں بھی اسے کام میں لاسکتی اور اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ اس آخری نمبر کو مزید دس حصوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے:

دوسری زبانوں کے ادب	890
انڈو آریائی ادب	891
سامی ادب	892
حامی ادب	893
سینتھی و تورانی ادب	893
ایشیائی زبانوں کے ادب	895
افریقی زبانوں کے ادب	896
شمالی امریکا کا ادب	897
جنوبی امریکا کا ادب	898
ملاٹی، پولی نیشیائی اور دوسری زبانوں کے ادب	899

اردو ادب کے لئے دوسرا نمبر (891) استعمال ہوتا ہے۔ اس نمبر کی اعشاریہ کی مدد سے

حسب ذیل مزید توسعہ کی گئی ہے:

۸۹۱ء۳۳۱ شعروشاعری

۸۹۱ء۳۳۲ ڈراما

۸۹۱ء۳۳۳ افسانے اور ناول

۸۹۱ء۳۳۴ مضمایں

۸۹۱ء۳۳۵ خطابت

۸۹۱ء۳۳۶ خطوط

۸۹۱ء۳۳۷ تجویز طرافت

۸۹۱ء۳۳۸ متفرقات

رسالوں سے استفادہ:

مواد کی تلاش اور گردآوری کے سلسلہ میں مخطوطوں اور کتابوں کے علاوہ معیاری رسالوں کی جلدیوں سے بھی استفادہ کرنا ہو گا۔ لیکن ہندوستان کی لائبریریوں میں ابھی رسالوں کے مضمایں کے اشاریہ کا رو بنانے کا رواج بہت کم ہے، اس لئے پورے رسالہ کی ورق گردانی ضروری ہے۔ لیکن کامِ وقت طلب ضرور ہے مگر رسائل سے استفادہ ناگزیر ہے۔ رسائل کے مضمایں چوں کہ موضوع کے ایک ہی پہلو سے بحث کرتے ہیں اس لئے ان میں کتاب سے زیادہ تفصیل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان مضمایں میں تازہ بہتازہ تحقیق اور رائیں ہوتی ہیں۔^۱

لائبریریوں کے مطبوعہ کٹیاگوں سے استفادہ:

مواد کی فراہمی اور محقق کی رہنمائی میں لائبریریوں کے مطبوعہ مفصل کٹیاگ بھی مفید

^۱: اردو (کراچی) اور بینل کالج میگزین (لاہور)، نوائے ادب (بمبئی)، برہان (دہلی) اور معارف (اعظم گڑھ) کے مضمایں کی فہرستیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ پہلے تین رسالوں کی فہرستیں خود ان رسالوں میں شائع ہوئی ہیں اور آخرالذکر دو کی برہان (دہلی) میں چھپی ہیں۔

^۲- A Research Manual, C. B. Williams and A. H. Stevenson، ترجمہ شدہ اڈیشن،

ثابت ہوتے ہیں۔ ان کثیلاگوں سے محقق کونہ صرف یہ کہ اس کے موضوع سے متعلق کتابوں کا پتاجلتا ہے بلکہ اور بھی کارآمد اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً مخطوطہ کے مصنف کے حالات اور اس کی دوسری تصانیف کا اسے علم ہوتا ہے۔ مخطوطہ کے اور نسخہ کہاں کہاں ہیں، اس کی بھی نشان وہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات مخطوطہ کے تمام ابواب نقل کر دئے جاتے ہیں۔ اس صورت میں محقق کو کتاب کی اہمیت و افادیت کا فوراً اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان و پاکستان کی بڑی اور اچھی لائبریریوں میں سے کم لائبریریوں کے کثیلاگ ابھی چھپے ہیں۔ جن ملکی و بیرونی لائبریریوں کی کتابوں کے کثیلاگ اب تک چھپ چکے ہیں ان میں سے بعض کے نام نیچے دئے جاتے ہیں:

- ۱- اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) حیدر آباد
 - ۲- انڈیا آفس لائبریری (لندن)
 - ۳- برٹش میوزیم (لندن)
 - ۴- بمبئی یونیورسٹی لائبریری (بمبئی)
 - ۵- بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ)
 - ۶- رضا لائبریری (رامپور) جلد اول
 - ۷- کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (حیدر آباد)
 - ۸- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، پاکستان (کراچی) جلد اول
 - ۹- کتب خانہ سالار جنگ (حیدر آباد)
 - ۱۰- کتب خانہ مسجد جامع، بمبئی (بمبئی)
 - ۱۱- صولت لائبریری (رامپور)
- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، پاکستان (کراچی) کے مخطوطات کے کثیلاگ کی دوسری اور تیسری جلد زیر طبع ہیں۔ رضا لائبریری (رامپور) کے مخطوطات کے کثیلاگ کی بھی دوسری جلد یہ چھپ رہی ہیں

ہندوستان کی بعض اہم لائبریریاں:

جہاں تک ہندوستان کی لائبریریوں کا تعلق ہے اردو کے محققین کے لئے مندرجہ ذیل لائبریریاں خصوصاً مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

- ۱- آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)
- ۲- اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) - حیدر آباد
- ۳- اورینٹل پبلک لائبریری، بانگلپور (پنڈ)
- ۴- پیر محمد لائبریری (احمد آباد)
- ۵- رضالائبریری (رام پور)
- ۶- صولت لائبریری (رام پور)
- ۷- کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو (حیدر آباد)
- ۸- کتب خانہ انجمن اسلام اردو یونیورسٹی نسٹی ٹیوٹ (بمبئی)
- ۹- کتب خانہ انجمن ترقی اردو (علی گڑھ)
- ۱۰- کتب خانہ دار المصنفوں (اعظم گڑھ)
- ۱۱- کتب خانہ سالار جنگ (حیدر آباد)
- ۱۲- نیشنل لائبریری (کلکتہ)

بعض بڑے شہروں میں رکارڈ آفس (Record Office)، آرکائیو (Archives)، میوزیم (Museum) وغیرہ کے ذخیروں سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہ ذخیرے تاریخ اور فنونِ لطیفہ کے موضوعات پر تحقیق کے سلسلہ میں خصوصاً اہمیت رکھتے ہیں۔

بعض بڑی لائبریریوں میں بہت سی اہم کتابوں کی مائیکروفلم یا روٹوگراف رہتے ہیں۔ ان سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

آغاز کار

موضوع کا انتخاب:

تحقیق میں پہلا اور نہایت اہم قدم موضوع کا انتخاب ہے۔ اس سلسلہ میں ماہرین تحقیق کی رائے ہے کہ نوجوان محقق موضوع کا انتخاب خود کرے تو بہتر ہے۔ یہ موضوع ایسا ہو جس سے اسے پہلے سے دلچسپی ہوا اور وہ اس سے متعلق تھورا بہت پڑھ چکا ہو۔ بعض اوقات پی ایچ ڈی کے طلبہ موضوع کا انتخاب خود نہیں کرتے بلکہ اپنے رہنمایا کسی اور فاضل شخص سے کراتے ہیں۔ چوں کہ موضوع کے انتخاب میں ان کی ذاتی دلچسپی کو دخل نہیں ہوتا اسلئے وہ کچھ دور چل کر بھٹک جاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچ نہیں پاتے یا گرتے پڑتے پہنچتے ہیں۔ اس طریقہ کار میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی رہنمایا دوسرا فاضل شخص موضوع کا انتخاب اپنے نقطہ نگاہ کے علاوہ اپنی سطح علمی سے کرتا ہے۔ اگر اتفاق سے دونوں باتیں یکجا ہو جائیں، یعنی موضوع نوجوان محقق کی دلچسپی کا نہ ہو اور اس کی سطح علمی سے اونچا بھی ہو تو اس کی مشکلیں بہت بڑھ جاتی ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات وہ مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ جب موضوع کا انتخاب اپنی دلچسپی اور اپنی سطح علمی کے مطابق ہو گا تو کام کی رفتار بھی حسب خواہش ہو گی اور نتیجہ بھی خوشگوار ہو گا۔ ہندوستان میں یونیورسٹی کے بعض رہنماء بعض اوقات پی ایچ ڈی کے

طلبہ کو اپنا پسند کیا ہوا موضوع اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں تک ممکن ہو موضوع کا انتخاب محقق خود کرے تاکہ وہ اس کی دلچسپی کا بھی ہو اور اس کی صلاحیت کے مطابق بھی ہو۔ البتہ وہ اپنے موضوع کی اہمیت، افادیت، جدت، مواد کی فراہمی کے امکانات وغیرہ سے متعلق اپنے رہنماء مشورہ ضرور کر سکتا ہے اور اسے کرنا چاہئے۔

مینول آف تھیس رائٹنگ (A Manual of Thesis Writing) کے مصنفین کی رائے میں اگر نوجوان محقق موضوع کا انتخاب کرنے سے پہلے اپنے آپ سے مندرجہ ذیل سوالات کرے تو یہ اس کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں:

۱۔ کیا یہ موضوع اس لائق ہے کہ اس پر تحقیق کی جائے؟

۲۔ کیا اس موضوع پر تحقیق مکمل ہو سکتی ہے؟

۳۔ کیا اس موضوع پر تحقیق کرنا میرے لئے ممکن ہے؟

۴۔ کیا اس موضوع پر میں تحقیق کر سکتا ہوں؟۔

ان سوالوں کے جواب کے لئے مصنفین مذکور نے جواشارے کئے ہیں انھیں بھی مختصر ا

نیچے دیا جاتا ہے:

۱۔ تحقیق کا مقصد کوئی نئی حقیقت پیش کرنا یا نئی بات کہنا ہے، اس لئے اس سوال کے جواب کے لئے وہ اپنے رہنمایا کسی اور تجربہ کار محقق سے مدد لے سکتا ہے۔

۲۔ اس موضوع پر مواد ملنے کے امکانات ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب کے لئے بھی وہ اپنے رہنمایا کسی ماہر محقق سے مشورہ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک موضوع سے اس کی ذاتی دلچسپی کا تعلق ہے اس کا جواب وہ خود دے سکتا ہے۔

۳۔ اس سوال کے جواب کے لئے وقت، متعلقہ زبان یا زبانوں کا علم اور بعض مفہماں کی صورت میں اخراجات وغیرہ کے نقطہ نگاہ سے خود اسے غور کرنا ہو گا۔

۴۔ اس سوال کے جواب کے لئے اسے اپنے طبعی رجحان، صلاحیت وغیرہ کا جائزہ لینا

۔۔۔۔۔ Manual of Thesis Writing , A. H. Cole and K. W. Bigelow۔ چاپ ہشم۔

موضوع کا انتخاب کرتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ موضوع نیا اور اہم ہو۔ تکرار مضمون سے نہ علم و ادب میں اضافہ ہو گا اور نہ محقق کو کوئی فائدہ پہنچے گا۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ صرف ایسے موضوع کا انتخاب کیا جائے جس پر اب تک کچھ نہ لکھا گیا ہو یا بہت کم لکھا گیا ہو۔ کوئی کتاب یا مقالہ حرف آخر نہیں ہو سکتا۔ موضوع میں نئے زاویے پیدا ہوں گے۔ بقول وحشی تحقیق میں جدت ایک اضافی صفت ہے اور کسی مضمون میں کسی ایسے موضوع کا ملنا جس کو مفکرانہ خیالات کی سطح نہ چھوا ہو، ناممکن ہے۔ اس لئے ایسے موضوع کا ملنا جس کو مفکرانہ خیالات کی سطح نہ چھوا ہو، ناممکن ہے۔ اس لئے ایسے موضوع کا بھی انتخاب کیا جاسکتا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ البتہ موضوع جس نقطہ نگاہ سے پیش کیا جائے وہ نیا ہو۔ پرانے موضوع میں بھی جدت پیدا کی جاسکتی ہے۔ ایک مثال کافی ہوگی۔ خیام پر بہت سی کتابیں اور مقالے اچھے اچھے مصنفوں کے قلم سے لکھے جا چکے تھے۔ لیکن (مولانا) سید سلیمان ندوی نے چوں کہ خیام سے متعلق نئے گوشوں پر روشنی ڈالی اس لئے اس پرانے موضوع میں جدت پیدا ہوئی اور ان کی تصنیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

۲۔ موضوع سے علم کی شاخ کو جس میں تحقیق کی جا رہی ہے، کیا فائدہ پہنچے گا۔ جیسا کہ پہلے کہا چکا ہے، تحقیق کا مقصد علم و فن کو ترقی دینا ہے۔ تحقیق علم میں بے شمار چھوٹے چھوٹے اضافے کر کے انسانی بہبودی میں حصہ لیتی ہے۔ محقق میں چیزوں کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو اپنے ڈھیر پر ایک ایک دانہ کا اضافہ کرتی ہے۔۳

۳۔ جس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آسانی سے مواد مل سکتا ہے، نوجوان محقق کو اس کے انتخاب سے بچنا چاہئے، کیوں کہ جب مواد کی کثرت ہو گی تو اس کا ترتیب دینا اور

۱۔ A Manual of Thesis Writing , A. H. Cole and K. W. Bigelow، چاپ هشتم،

باب ۱، ص ۲

۲۔ F. L. Whitney، کتاب مذکور، باب ۳، ص ۸۹، ۹۰

۳۔ Research in Education, J. W. Best، باب ۲، ص ۱۶

نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہوگا۔ اور اگر یہ ہو بھی جائے تو ناجرب کاری کی وجہ سے اس میں جدت پیدا کرنا مشکل ہوگا۔

۴۔ ایسے موضوع سے بھی بچنا چاہئے جسکے لئے مواد کی فراہمی کے امکانات کم ہوں۔
۵۔ موضوع بہت وسیع و بسیط نہ ہو۔ وسیع موضوع کی صورت میں کامل کا ایک جزو تحقیق کے لئے منتخب کرنا بہتر ہوگا۔ مثلاً، ”اردونٹر کے اسالیب بیان“ ایک وسیع موضوع ہے۔ اسے اس طرح مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اردونٹر کے اسالیب بیان

قدیم اردونٹر کے اسالیب بیان

۷۱۸۵ء سے ۱۹۱۳ء تک کی اردونٹر کے اسالیب بیان

۷۱۹۱ء سے ۷۱۹۳ء تک کی اردونٹر کے اسالیب بیان

آزادی کے بعد کی اردونٹر کے اسالیب بیان

۶۔ بہت محدود موضوع کا انتخاب بھی مناسب نہیں۔ اس صورت میں نوجوان محقق کے ہمت ہارنے کا اندیشہ ہے۔

۷۔ جس موضوع سے محقق کو کسی قسم کی نفرت ہو یا اسکے متعلق اس نے کچھ خاص قسم کے تصورات قائم کر لئے ہوں، اس کا انتخاب نہ کرے۔ لے محض تنقیص کی غرض سے تحقیق کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ ایسی تحقیق سے تحقیق کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایسی تحقیق سے علم و ادب میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

۸۔ موضوع نہ صرف محقق کے لئے دلچسپ ہو بلکہ طبع و اشاعت کی صورت میں قاری کی بھی دلچسپی کا باعث بن سکے اور کتاب کے مطالعہ سے اسکے علم میں اضافہ بھی ہو اور اسے سرست بھی حاصل ہو۔ ۹۔

۱۔ C. B. Wlulams and A. H. Stevenson، ترمیم شدہ اڈیشن، باب ۲، ص ۶۳

۲۔ ایضاً

مآخذ کی عارضی فہرست

تحقیق میں دوسرا ہم قدم مآخذ کی فہرست تیار کرنا ہے، یعنی محقق جس موضوع پر مقالہ لکھنا چاہتا ہے اس پر کتابوں، رسالوں، مضمونوں وغیرہ کی شکل میں اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کی ایک فہرست تیار کرے۔ وہ پہلے ان کتابوں، مضمونوں وغیرہ کی فہرست بنائے جو اس کے ذہن میں موجود ہیں۔ اسکے بعد تلاش شروع کرے۔ یہ کام دقت طلب اور صبر آزمائے۔ نوجوان محقق کو مستقل مزاجی سے کام لینا ہوگا۔ اس موقع پر اسے تفصیلی یا تنقیدی طور پر پڑھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس کے موضوع سے متعلق کام کی چیزیں ہیں یا نہیں، اور ساتھ ہی اسے موضوع کی اہمیت، وسعت، مواد کی قلت، غلطیوں، غلط اخذ نتائج وغیرہ کا پتا چل جائے، اور اچھے اور بے اور مفید اور غیر مفید مواد میں تمیز ہو جائے۔ بعض اوقات یہ کام کتاب کی فہرست مندرجات یا اشاریہ سے بھی لیا جاسکتا ہے۔

فہرست مآخذ اگر "۳۵x۳" کے پتلے کارڈ یا تراشے (سلپ) پر تیار کی جائے تو بہتر ہے۔ ایک کارڈ یا تراشے پر صرف ایک کتاب کا نام ہونا چاہئے اس میں مندرجہ ذیل پانچ باتیں لازمی طور پر درج کی جائیں:

(الف) مصنف یا مرتب کا نام (ب) کتاب کا نام (اگر ایک سے زیادہ جلد و میں ہے تو جلد کا نمبر)، (ج) مقامِ اشاعت (د) ناشر (ہ) سالِ اشاعت (اگر ایک سے زیادہ اڈیشن ہیں تو اڈیشن کا نمبر)

مثلاً

ذکر میر	میر، میر تقی
اور نگ باد، ۱۹۲۸ء	ابن حممن ترقی اردو، ہند

اگر محقق چاہے تو اپنی سہولت کے لئے کارڈ پر اور باتیں بھی لکھ سکتا ہے۔ مثلاً باب، صفحہ

یا صفحات کا نمبر درج کر لینا مناسب ہوگا اسی طرح لائبریری کا Call Number بھی نوٹ کر لینا اس کے لئے مفید ہوگا۔ ایسی صورت میں اسے دوبارہ لائبریری کا کارڈ دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔

رسالہ کے مضمون کی فہرست بنانے میں مندرجہ ذیل باتیں نوٹ کرنا ہوں گی:

(الف) مضمون نگار کا نام (ب) مضمون کا عنوان (و اولین میں) (ج) رسالہ کا نام
 (د) جلد اور شمارہ (بریکیٹ میں سال بھی دے دیا جائے تو بہتر ہے) (ه) صفحات

مثلاً

شیخ چاند، سودا کی حیات اور کلام کے متعلق غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں"

اردو (سہ ماہی)، جلد ۱۲، نمبر ۲ (۱۹۳۲ء)

صفحات ۳۷۰-۳۲۱

فہرست مآخذ ایک ہی بار میں مرتب نہیں ہو سکتی۔ اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہت سی کتابوں کے نام خارج بھی ہو جائیں گے، یہاں تک کہ کتاب یا مقالہ مکمل ہونے تک ایک نئی فہرست تیار ہو جائے گی۔ اس فہرست میں صرف ان کتابوں، رسالوں وغیرہ کے نام ہوں گے جن سے مقالہ میں استفادہ کیا گیا اور جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔

بنیادی ذرائع:

سارے ممکن الحصول مواد کو سارے ممکن ذرائع سے اکٹھا کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تلاش و جستجو بنیادی ذرائع سے ہو۔ بنیادی ذرائع سے حاصل کیا ہوا مواد مستند ترین ہوتا ہے، اسلئے جہاں تک ممکن ہو یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ صرف مجبوری کی حالت میں ثانوی ذرائع کی طرف رخ کیا جائے۔ ایک کتاب عربی میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ اگر محقق عربی جانتا ہے تو اصل کتاب سے استفادہ کرے نہ کہ ترجمہ سے، کیونکہ

ترجمہ ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ریسرچ اینڈ رپورٹ رائٹنگ (Research and Report Writing) کے مصنفین مندرجہ ذیل ذرائع کو بنیادی ذرائع میں شمار کرتے ہیں:

- ۱- تجربے
- ۲- ذاتی تفتیش و تلاش: انٹرویو اور سوالنامہ
- ۳- تحقیقی مقالات و مصاہین جو پیشہ ورانہ رسالوں میں شائع ہوئے
- ۴- خطوط، ڈائریاں اور خود نوشتہ سوانح عمریاں
- ۵- فن اور ادب کی تخلیقی تحریریں
- ۶- حکومت، میونسپلی، بورڈ وغیرہ کی روئیدادیں
- ۷- تحقیقی اداروں، دانش گاہوں وغیرہ کی روئیدادیں
- ۸- اخبارات

اس فہرست میں مندرجہ ذیل کا اضافہ کیا جا سکتا ہے:

۹- مخطوطات

۱۰- فرایمن

سوالنامہ:

بیسٹ (Bist) نے اچھے تعلیمی سوالنامہ کی آٹھ خصوصیات بتائی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل سات علمی و ادبی سوالنامہ کے لئے یکساں اہم ہیں:

- ۱- سوالات کسی اہم موضوع سے متعلق ہوتے ہیں تاکہ اس کی اہمیت مجب کو جواب دینے پر مائل کر سکے۔ موضوع کی اہمیت سوالنامہ میں واضح اور محتاط طور پر بتا دی جائے۔
- ۲- صرف ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں جن کے جواب دوسرے ذرائع سے نہ مل سکتے ہوں۔

- ۳۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے سوالنامہ مختصر ہوتا ہے۔
- ۴۔ سوالنامہ ظاہری طور پر جاذب نظر ہوتا ہے، عمدگی سے ترتیب دیا جاتا ہے اور صفائی سے لکھا جاتا ہے۔ (یا مطبوعہ ہوتا ہے)
- ۵۔ ہدایات واضح اور مکمل ہوتی ہیں۔ اہم اصطلاحات کی تشریع کر دی جاتی ہے۔ ایک سوال میں صرف ایک بات پوچھی جاتی ہے۔ ہر سوال صاف اور سادہ لفظوں میں لکھا جاتا ہے اور اس انداز سے لکھا جاتا ہے کہ اس کا جواب آسانی سے، ٹھیک ٹھیک اور واضح طور پر دیا جاسکے۔
- ۶۔ سوالات صرف نفس امر سے متعلق ہوتے ہیں اور مطلوبہ جواب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے۔

۱۔ سوالات نفیاتی ترتیب کے ساتھ (یعنی عام سے خاص) پیش کرنے جاتے ہیں۔ ترتیب مجیب کو اس کے خیالات مرتب کرنے میں مدد دیتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے جوابات منطقی ترتیب کے ساتھ ہوتے ہیں اور نفس امر سے متعلق ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ پہلے ایسے سوالات پیش کرنے جائیں جن کا اثر مجیب پر خوشنگوار ہو، اور پھر نازک اور دقیق سوالات پوچھنے جائیں۔ پریشان کرنے سوالات سے پرہیز کیا جائے۔

۲۔ سوالنامہ بھیجا جائے تو اس کے ساتھ جوابی لفافہ یا نک ضرور بھیجے جائیں۔

باضابطہ ملاقات (انٹرویو):

باضابطہ ملاقات بھی ایک طرح کا سوالنامہ ہے۔ یہ تحریری ہوتا ہے وہ زبانی۔ سوالات بہر حال تحریری شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ انٹرویو کے سلسلہ میں چند باتوں کا خصوصاً خیال رکھنا ضروری ہے۔ وقت کا تعین اپنی سہولت کے مطابق نہ کیا جائے بلکہ جس سے انٹرویو لینا ہے اس کی سہولت کے مطابق کیا جائے تاکہ وہ سکون و اطمینان اور تفصیل سے جواب دے سکے۔ غیر متعلق سوالات ہرگز نہ پوچھنے جائیں۔ جواب اسی وقت لکھ لیا جائے یا فوراً بعد تاکہ

مجیب کے اصل الفاظ استعمال کئے جاسکیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں اگر جوابات ٹیپ ریکارڈ کرنے والے تو بہتر ہو۔ اس میں سہولت بھی ہے اور خرچ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس صورت میں جوابات اسی وقت لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بعد میں ٹیپ ریکارڈ کو مکمل اور مقصدی تجزیہ کی خاطر جتنی بار چاہیں سن سکتے ہیں۔ اس میں مجیب کے اصل الفاظ کے علاوہ اس کا لہجہ اور جذبات کا اتار چڑھا و بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔



مقالہ کی تیاری

ماخذ کی عارضی فہرست تیار کر لینے کے بعد محقق مقالہ کی تیاری شروع کر دے، یعنی اب وہ اپنے موضوع سے متعلق کتابیں پڑھنا شروع کرے۔ جیسا کہ ابتداء میں کہا جا چکا ہے، محقق کو اپنے موضوع سے متعلق ہر ممکن احصوں تحریر پڑھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مقالہ میں جدت پیدا نہیں کر سکتا۔

پڑھنے کی اہمیت:

پڑھنے کی بھی خاصی اہمیت ہے کیونکہ پڑھنے وقت غور و فکر بھی کرنا ہوتا ہے۔ ایک امریکن مصنف کی رائے میں پڑھنے کافیں ان تمام خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جو انکشاف کے لئے ضروری ہیں، یعنی مشاہدہ کی تیزی، قوت حافظہ، تخیل اور ایجاد مانع جو تجزیہ اور غور و فکر کا عادی ہو۔ ۱

موجودہ دور کی چھپی ہوئی کتابوں سے مواد تلاش کرنے میں محقق کو نسبتاً آسانی ہوگی۔ جدید مطبوعات میں عموماً کتاب کے آخر میں اشاریہ ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے محقق بڑی آسانی سے اپنے مطلب کی چیزیں ڈھونڈ سکتا ہے۔ اگر کتاب کے آخر میں اشاریہ نہ ہو یا اس کے

ذریعہ کا میابی نہ ہو سکے تو فہرست مضاہین کو دیکھ کر پورا باب پڑھنا ہوگا۔ اگر پورا باب پڑھنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے سرسری طور پر پڑھنا چاہئے۔ ہر باب یا کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پی ایچ ڈی کے امیدوار کو ایک محدود وقت میں مقالہ تیار کرنا ہوتا ہے۔ عام محقق کو بھی وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے پڑھنے کی رفتار تیز ہونا چاہئے۔ پڑھنے کی رفتار کو مشق و مزاولت کے ذریعہ تیز یا تیز سے تیز تر بنایا جا سکتا ہے۔ انگریزی کے ایک مشہور مصنف لینڈ (Lynd) نے پڑھنے کی رفتار کو تیز بنانے کے لئے مندرجہ ذیل طریقے بتائے ہیں:

۱- تم آسانی سے جس حد تک پڑھ سکتے ہو، کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو اس سے زیادہ تیز پڑھنے پر مجبور کرو۔ یہ سب سے اہم اصول ہے۔ ابتداء میں تمھیں یہ پریشانی ضرور ہو گی کہ تم اپنی خواہش کے مطابق عبارت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہو گے۔ لیکن اس کی پرواہ نہ کر و مشق کے ساتھ یہ وقت خود بخود دور ہو جائے گی۔ ایک ماہر تعلیم جس نے عبارت پڑھنے کے مؤثر طریقہ کی تحقیق میں کافی وقت صرف کیا ہے، کہتا ہے کہ میں نے اپنے پڑھنے کی رفتار کو اس طرح کافی حد تک بڑھایا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو یہ احساس دلا کر کہ میرے پڑھنے کی رفتار بلا وجہ است ہے اور پھر استقلال کے ساتھ امکانی حد تک تیز مگر پوری توجہ کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کی تا و قتیکہ تکان محسوس ہونے لگے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ پڑھنے کی کسی حد تک ایک نئی رفتار قائم نہ ہوئی۔

۲- ہر سطر میں جہاں تک ممکن ہو، آنکھ کم سے کم جگہوں پر رکے۔ پڑھتے وقت نظر مسلسل حرکت نہ کرے بلکہ وقفے اور جھٹکے کے ساتھ متھر ہوتی رہے۔ آنکھیں چھپی ہوئی عبارت کی ہر سطر کے مختلف نکلوں کی تیزی سی تصویریں لیتی رہیں اور پھر انھیں یکجا کر کے ان سے مطلب پیدا کرتی ہیں۔

اصل میں نظر کی حرکت کے وقت پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب نظر کی حرکت تھم جاتی ہے۔ ایک ایک لفظ نہ پڑھو بلکہ لفظوں، فقروں اور جملوں کے مجموعے کو پڑھو۔ اس طرح ایک شخص جس کے پڑھنے کی رفتار بہت ست تھی، ایک سطر ۱۵، ۱۵ وقفوں کی مدد سے پڑھا کرتا تھا، وہی ہر روز بیس بیس منٹ کی بیس دن کی مشق نے اس وقفہ کی اوست کو ۱۶ کی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ سطر کے پہلے لفظ پر نگاہ نہ جماو بلکہ سطر کے ابتدائی حصہ میں کسی جگہ پر جماو۔ اسی طرح آخری وقفہ آخری لفظ پر نہ ہو بلکہ سطر کے آخری حصہ میں کسی جگہ پر ہو۔

۳۔ کسی چھوٹے ہوئے لفظ یا لفظوں کو دوبارہ پڑھنے کی خاطر نگاہ کو پیچھے نہ پلٹاؤ۔ اس کا خیال اسی وقت سے کرنا ہو گا جب تم نے یہ طے کر لیا کہ تم اپنے پڑھنے کی رفتار کو تیز کرو گے۔ نگاہ کو پلٹانے کا سب سے عام سبب یہ ہے کہ پیش رو سطر کے آخر تک نگاہ پلٹتے وقت صحیح سطر پر نہیں پڑتی۔ پڑھنے وقت ہر قسم کے موضوع پر الگ الگ موثر طریقہ سے یہ تجربہ کرو کہ نگاہ صحیح سطر پر پڑے۔

۴۔ نظر کی حرکت میں ایک مسلسل موزوںی (سر) قائم کرو۔ یہ موزوںی زیر مطالعہ کتاب کی سطروں کی لمبائی اور مواد کی مناسبت سے ہو گی۔ اس سر کے ساتھ ہر سطر میں اپنے آپ کو جھولتا ہوا محسوس کرو۔ شکا گو یونیورسٹی کے پروفیسر بسول (Buswell) نے بتایا ہے کہ، ایک پڑھنے والے کی نظر کی حرکت میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آنکھ ایک سطر دوسری سطر پر ایک موزوں جھٹکے کے ساتھ پہنچتی ہے اور ہر سطر پر وقتنے تقریباً برابر ہوتے ہیں اور پیچھے لوٹنے والی حرکات بہت کم ہوتی ہیں یا بالکل نہیں ہوتیں۔ اس کے برعکس ایک خام پڑھنے والا کبھی نگاہ کو آگے لے جاتا ہے اور کبھی پیچھے لاتا ہے تاکہ ایک لفظ جو واضح نہیں ہوا تھا، واضح ہو سکے اور پھر نگاہ کو آگے لے جاتا ہے،

اور پھر فوراً پچھے لے آتا ہے۔

۵۔ پڑھتے وقت منہ سے آواز نہ نکلے بلکہ ہونٹ بھی نہ ملنے پائیں کیونکہ آواز نکلنے یا ہونٹ ملنے کی وجہ سے پڑھنے کی رفتارست ہو جاتی ہے لے مواد کی فراہمی کے لئے جو مطالعہ کیا جاتا ہے اس کے سلسلے میں وہنسنی نے مندرجہ ذیل مفید اور عملی ہدایتیں دی ہیں:

محقق کو ہمیشہ یہ جاننا چاہئے کہ اسے کس قسم کی تحریروں کو توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ہے۔ وہ ہر تحریر کو جو اسے دستیاب ہوتی ہے یکساں توجہ یا رفتار سے نہیں پڑھ سکتا۔ وقت اس کی اجازت نہیں دیتا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات مغض نائل یا ابواب کی سرخیوں اور دیباچہ پر زگاہ ڈال لینا کافی ہو گا۔ بعض کتابوں کا اشارہ یہ دیکھ لینے سے مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بعض ابواب کو تیزی سے سرسری طور پر پڑھنا چاہئے۔ بعض کتابوں کو آہستہ اور توجہ سے پڑھنا ہو گا اور پڑھنے کے ساتھ نوٹ بھی لینا ہو گا۔ بعض کتابوں اور مضمونوں کو دوبارہ پڑھنے کے لئے الگ رکھ دینا ہو گا۔

ہماری زبان کے مشہور عالم و محقق (مولانا) شبلی کے مطالعہ کا انداز کچھ اسی قسم کا تھا۔

ان کے سوانح نگار (مولانا) سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ:

”مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی کتاب اول سے آخر تک نہیں پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر یہ طریقہ اختیار کروں تو ایک ہی کتاب میں الجھ کرہ جاؤں۔ بے ترتیبی کے ساتھ اور اسکی لئے پلٹنے رہتے تھے اور نہایت سرعت کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ لیکن باس ہمہ کتاب میں جو بہترین معلومات ہوتیں ان پر زگاہ پڑھتے تھے۔ اور ان معلومات پر اس قدر حاوی ہو جاتے کہ کتاب

۱۔ F. L. Whitney، کتاب مذکور، باب ۳، ص ۱۰۲، ۱۰۳، جو والہ: You Have More Time to

Read، R. S. Lynd

پر یو یو کرنے کے لئے بالکل تیار ہو جاتے۔^۱

لیکن مخطوطات کو شروع سے آخر تک پڑھنا ہو گا کیوں کہ وہاں اشاریہ اور فہرست مضامین تو الگ رہے بعض اوقات فصول وابواب تک نہیں ہوتے۔ تذکروں کو بھی شروع سے آخر تک پڑھنا ہو گا کیوں کہ بعض اوقات ایک شاعر کے متعلق کسی دوسرے شاعر کے سلسلہ حالات میں بھی کچھ کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔

نوٹ لینا:

مقالات مختلف نوعیتوں کے ہوتے ہیں اسی لئے ان کی تیاری کے طریقے بھی مختلف ہوں گے لیکن ایک بات عام ہے اور وہ ہے مقالہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا۔ مقالہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے سے یہ فائدہ ہو گا کہ مواد کی گردآوری میں سہولت ہو گی اور اس سے کہیں زیادہ سہولت مواد کو ترتیب دینے میں ہو گی۔ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ کا خاکہ تیار کیا جائے۔ خاکہ میں عنوانات قائم کرنا (اور اگر ممکن ہو تو ذیلی سرخیاں قائم کرنا) سب سے پہلی شرط ہے۔ انہی عنوانات کے مطابق محقق نوٹ لینا شروع کرے۔ خاکہ بنانے، سرخیاں قائم کرنے اور نوٹ لینے میں گہرا تعلق ہے۔ اچھے مقالہ کی تیاری سے لئے محتاط، صحیح اور مکمل نوٹ ضروری ہیں۔ مناسب نوٹ کے بغیر مقالہ میں منطقی ترتیب، مکالمہ استدلال اور سلیمانی و خوشگوار تحریر ممکن نہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے نوٹ لینے میں مہارت حاصل کرنا تحقیق کا ابتدائی اہم قدم ہے۔^۲

نوٹ لینے کے سلسلہ میں ریسرچ مینوں کے مصنفوں نے صحیح کہا ہے کہ دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ بیکار قسم کے نوٹ نہ لئے جائیں اور دوسری یہ کہ کوئی ضروری بات چھوٹنے نہ پائے۔ بیکار قسم کے نوٹ مقالہ لکھنے وقت در درس کا باعث ہوں گے۔ ضروری نوٹ چھوٹ جانے سے یہ نقصان ہو گا کہ یا تو مقالہ کی قدر و قیمت میں کمی محسوس ہو گی یا محقق کو دوبارہ تلاش پر مائل ہونا پڑے گا۔^۳

۱۔ (مولانا) سید سلیمان ندوی، حیاتِ شلبی، ص ۸۲

۲۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱۰، ص ۸۳۶

۳۔ C. B. Williams and A. H. Stevenson، کتاب مذکور، ترجمہ شدہ اڈیشن، باب ۶، ص ۸۶

نوٹ لینے کا عموماً یہ طریقہ رہا ہے کہ محقق ایک بیاض میں مسلسل نوٹ لیتا جاتا تھا۔ آج کل بھی ہندوستان میں بہت سے لوگ تقریباً اسی انداز سے نوٹ لیتے ہیں۔ اس طریقہ کو اچھا نہیں کہا جاسکتا۔ اس صورت میں ایک ہی سرخی کے تحت مختلف جگہوں میں نوٹ ہوتے ہیں اور مقالہ لکھتے وقت خاصی انجمن ہوتی ہے۔ اگر تاشوں یا پتلے کا رڈوں پر نوٹ لئے جائیں تو بہتر ہے، یعنی ہر نوٹ الگ الگ تاشے یا کارڈ پر ہو۔ اس سے فائدہ یہ ہو گا کہ نوٹوں کو حسب ضرورت دوبارہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ ایک تاشے پر صرف ایک پہلو سے متعلق نوٹ لیا جائے۔ اگر نوٹ لمبا ہے تو دو یا دو سے زیادہ تاشے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ہر تاشے کے دائیں سرے پر سرخی یا ذیلی سرخی ضرور لکھ لی جائے تاکہ انھیں ترتیب دیتے وقت سہولت ہو۔ ہر تاشے کو اسکی مستقل سرخی کے تحت رکھا یا فائل کیا جائے۔ یہ تاشے یا کارڈ "عموماً" ۶×۳ کے ہوتے ہیں۔ "۸×۵ یا ۱۱×۸ کے کاغذ بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ریسرچ مینوں کے مصنفوں میں یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ یہ تاشے مختلف رنگوں کے ہوں تو بہتر ہے۔ لے رنگوں کی تفریق عنوانات کے لحاظ سے کی جاسکتی ہے۔ ہر نوٹ کے آخر میں مصنف کا نام، کتاب کا نام، باب، صفحہ یا صفحات ضرور لکھ لینا چاہئے تاکہ (حوالہ سے قطع نظر) اگر دوبارہ اسے پڑھنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ آسانی سے مل جائے۔

نوٹ لینے کے سلسلہ میں بست (Bist) نے نوجوان محقق کو چند اچھے مشورے دے ہیں۔ ان پر عمل کرنا اس کے لئے مفید ہو گا۔

۱۔ نوٹوں کو دوبارہ نقل یا ثانپ کرنے کا خیال ذہن میں نہ لاؤ۔ اس سے وقت کا نقصان ہونے کے علاوہ غلطیوں کے راہ پانے کا بھی امکان ہے۔

۲۔ ہمیشہ اپنے ساتھ تھوڑے سے تاشے یا کارڈ رکھو تاکہ جب کوئی نیا خیال بس کے انتظار میں، بس میں بیٹھے ہوئے، کسی لکھر یا بحث کے دوران ذہن میں آئے تو اسے فوراً لکھ لو۔

۳۔ نوٹوں کو احتیاط سے رکھو تاکہ وہ کھونہ جائیں۔ اگر انھیں کہیں لے جانے کی

ضرورت پڑے تو فائل فولڈر میں رکھ کر لے جاؤ اور اس پر اپنा� نام اور پتا ضرور لکھو
لو۔

۳۔ مقالہ لکھنے کے بعد بھی نوٹوں کو محفوظ رکھو۔ ممکن ہے کہ بعض نوٹ کسی اور موضوع پر
لکھنے کے سلسلہ میں کام آسکیں۔

نوٹ مختلف طریقوں سے لئے جاسکتے ہیں، مثلاً مصنف کی اصل عبارت (اقتباس)
یا مصنف کی عبارت کا اختصار یا مصنف کی عبارت کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھنا۔ مصنف کی
عبارت یا عبارت کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اگر ضرورت ہو تو محقق اپنے رائے بھی مختصر ا لکھتا
جائے۔

اقتباس کا استعمال بہت زیادہ کرنا مناسب نہیں۔ ریسرچ مینوں کے مصنفوں کی رائے
میں اس کا استعمال ایسی صورت میں کرنا چاہئے کہ مصنف نے بات کے کہنے کے لئے جن الفاظ
کا استعمال کیا ہے وہی بہترین ہیں۔ دوسرا استعمال یہ ہے کہ مصنف کی عبارت حسن انشا کا عمدہ
نمونہ ہے اور محقق اپنی مسrt میں اپنے قارئین کو بھی شریک کرنا چاہتا ہے۔ اپنی بات کو
مستند اور زیادہ وزن دار بنانے کے لئے بھی اقتباس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔
محقق جس طریقہ پر چاہے نوٹ لے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ
صفائی کے ساتھ لکھے جائیں۔ ایسی صورت میں مقالہ لکھتے وقت سہولت ہوگی۔

چارٹ، نقشے وغیرہ:

موجودہ دور میں نقشوں، چارٹوں وغیرہ کی اہمیت و مقبولیت بہت بڑھ گئی ہے، اس لئے
اس کا اہتمام جہاں تک ممکن ہو ضرور کیا جائے۔ نقشے، چارٹ وغیرہ مصور و مشرح مثالیں ہیں
اس لئے بات واضح تر ہو جاتی ہے اور آسانی سے سمجھے میں آ جاتی ہے۔ ان مثالوں کے ذریعہ
اپنے دعوے کو زیادہ مضبوط اور روزنی بھی بناسکتا ہے۔

ان مصور و مشرح مثالوں کا استعمال مضمون یا موضوع کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً تاریخی مقالہ یا کتاب میں جنگ یا جنگوں کے نقشے دئے جاسکتے ہیں۔ تعلیمی کتاب یا مقالہ میں چارٹ، گراف وغیرہ تعلیم کی تدریجی رفتار بتانے یا دوسرے مسائل کو سمجھانے میں مفید و معین ثابت ہوں گے۔ ادبی مقالہ یا کتاب میں متعلقہ مخطوطہ کا عکس، پرانی عمارت کا فوٹو وغیرہ اس کی اہمیت میں اضافہ کا باعث ہوں گے۔ زینتی تصویر یہ بھی کتاب کی افادیت و اہمیت بڑھاتی ہیں، اس لئے ان کا بھی اہتمام ضرور کیا جائے۔

چارٹ، گراف، ڈانگرام وغیرہ محقق خود نہ بنائے بلکہ کسی اچھے ڈرافٹ میں سے بنوائے۔ پرانی تصویروں کے حصول کے لئے اسے پرانے معیاری رسالوں کے ورق اللنا ہوں گے۔ لیکن پرانی عمارتوں یا دوسرے آثار کے نئے فوٹو لینا بہتر ہوگا، بشرطیکہ یہ ممکن ہو۔ مختصر یہ کہ اس سلسلہ میں بھی محقق کو محنت اور جانفشاںی سے کام لینا ہوگا اور ساتھ ہی اسے اپنے اچھے ذوق کا ثبوت دینا ہوگا۔



مقالہ کی تسویہ

مواد کی ترتیب:

سارا ممکن الحصول مواد اکٹھا کر لینے کے بعد اب ضرورت ہے کہ اسے ترتیب دیا جائے، یعنی آغازِ کار سے اب تک جو نوٹ لئے گئے ہیں انہیں ان کے عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے۔ ان کو مرتب کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ جو غیر اہم یا غیر ضروری نوٹ آگئے ہیں انہیں الگ کر دیا جائے۔ نوجوان محقق کو اپنے جمع کئے ہوئے تمام نوٹ عزیز ہوتے ہیں اس لئے غیر ضروری نوٹوں کو الگ کرنے میں وہ ہچکچا ہٹ محسوس کر سکتا ہے۔ لیکن مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے یہ بہر حال کرنا ہوگا۔ جس طرح نوٹ لیتے وقت باقاعدگی اور احتیاط کا خیال رکھا گیا تھا اسی طرح انہیں ترتیب دیتے وقت بھی باقاعدگی اور احتیاط ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ جس کام میں تنظیم و ترتیب ہوتی ہے اس کا نتیجہ خاطر خواہ و خوشگوار ہوتا ہے۔

مقالہ کی تسوید:

مواد کی ترتیب کے بعد مقالہ لکھنے کا کام شروع ہوتا ہے۔ مواد کی تلاش، چھان بین اور ترتیب میں جس محنت، دیانت اور دقت نظر کا ثبوت دیا گیا ہے، مقالہ کی تسوید میں بھی اس کا اہتمام ضروری ہے۔ واضح فکر، مواد کی منطقی ترتیب، صحیح ترجمانی اور موثر طرزِ تحریر میں ایک قطعی رشتہ ہے۔ چوں کہ مقالہ علمی ہے اسلئے اس کے پیش کرنے کا انداز بھی علمی ہونا چاہئے، یعنی تحریر میں عالمانہ وقار و تمکنت ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے بلا وجہ خشک بنایا جائے علمی انداز تحریر کے باوصف اسلوب بیان شگفتہ ہو سکتا ہے۔ افلاطون کے فلسفیانہ مکالے انشا پردازی کے حسن سے خالی نہیں۔ گہن کی تاریخ، زوال سلطنتِ روما، اپنی تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ انشا پردازی کا بھی ایک کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ اردو میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً (مولانا) شبیلی، (مولانا) سید سلیمان ندوی وغیرہ کی تصانیف۔ (مولوی) عبدالحق کی تحریر میں اپنی سادگی کے باوجودِ دلکش بیں۔

اچھے اور موثر اسلوب بیان کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے مصنفوں اور انشا پردازوں ہوئے ہیں، ان کا موضوع ادب رہا ہو یا فلسفہ، افسانہ رہا ہو یا تاریخ، ناول رہا ہو یا سوانح عمری، سب نے اپنی تحریروں پر بارہا نظر ثانی کی ہے۔ ولیم جیمز نے اپنی مشہور کتاب 'سایکالوجی' کا تقریباً ہر صفحہ چھ مرتبہ لکھا۔ ٹیٹا لٹلٹی نے اپنا ناول War and Peace میں سات مرتبہ اپنی بیوی سے نقل کرایا۔ اناطول فرانس آٹھ بار پروف دیکھتا تھا۔ اور بالزاک تو ناقابل یقین حد تک پہنچ گیا تھا، یعنی تائیس بار۔ رو سوانپے کمرے سے دوڑ کر پریس جاتا اور اپنے مسودہ کے بعض حصوں پر نظر ثانی کرتا۔ ٹیٹا میکالے کا انگریزی کے بہترین انشا پردازوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا ایک مسودہ لندن میوزیم میں رکھا ہے۔ اس میں ... جا، بجا کاث پھانس اور حک و اصلاح پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض فقرے دس دس دفعہ

۱۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱۰، ص ۸۳۳

۲۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱۰، ص ۸۷۷

۳۔ F. L. Lucas، Style، باب ۱۱، ص ۲۳۲

کاٹے گئے ہیں۔^۱ (مولانا) شبلی کی عبارت میں جو رعنائی و برنا نائی پائی جاتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنی کوئی تحریر متعدد بار کی کاٹ چھانٹ کے بغیر کتابت کے لئے نہیں دیتے تھے۔ اسی بار بار کی نظر ثانی اور حک و اصلاح کا نتیجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں شفافتگی کے علاوہ اختصار عبارت صحیح معنوں میں پایا جاتا ہے، یعنی کوئی جملہ غیر ضروری نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اسلوب بیان کی ایک دوسری اہم شرط، وضاحت بیان کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ وہ بات کو پوری تفصیل کے ساتھ کہتے ہیں۔ ابہام کا ان کے یہاں گذر نہیں۔ یہی صحیح معنوں میں ایجاد ہے۔ ایسی ہی عبارت پڑھنے والے کو مستفیض بھی کرتی ہے اور محظوظ بھی۔ اردو میں ایجاد کی بہترین مثالیں (مولانا) شبلی اور (مولوی) عبدالحق کے یہاں ملتی ہیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی نے آٹھ صفحوں کا ایک رسالہ پی ایچ ڈی کے طلبہ کی عملی ہدایت کے لئے شائع کیا ہے۔ اس میں پہلی بات یہی کہی گئی ہے کہ ایجاد مقالہ کا اہم ترین وصف ہے۔^۲ پروفیسر لوکس ایجاد کو خوش اخلاقی کا ایک روپ بتاتے ہیں، کیوں کہ اس کی وجہ سے کتاب پڑھنے والے کا وقت ضائع نہیں ہوتا۔^۳ ان کی یہ رائے صائب ہے کہ ایجاد کا مقصد کم لکھنا نہیں ہے بلکہ بہتر لکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایجاد سے عبارت میں حسن، زور اور روانی پیدا ہوتی ہے۔^۴ ان خوبیوں کے علاوہ ایجاد کی وجہ سے جملے معنی خیز ہوتے ہیں۔^۵ ایک پانچویں خوبی یہ ہے کہ بات میں کسی قسم کا جھوول نہیں رہ جاتا بلکہ وہ بالکل واضح ہو جاتی ہے۔^۶ ایک اچھا مصنف صرف یہی نہیں جانتا کہ اسے کیا لکھنا چاہئے بلکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسے کیا نہیں لکھنا چاہئے۔ اس کا ایجاد وضاحت پیدا کرتا ہے اور وضاحت ایجاد کا

۱۔ خواجہ الطاف حسین حالی، حیات سعدی، دوسرا باب، ص ۸۹

۲۔ Notes on the Presentation of Theses on Literary Subjects۔ ص ۳

۳۔ F. L. Lucas، کتاب مذکور، باب ۲، ص ۹۵

۴۔ ایضاً، ص ۷۳

۵۔ ایضاً، ص ۸۷

۶۔ ایضاً، ص ۸۸

باعث ہوتی ہے اور یہی انشا پردازی کا کمال ہے۔

لیکن ایجاز اور ابہام کی سرحد میں آپس میں ملتی ہیں، اسلئے بہت محاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر خیالات کا اظہار واضح طور پر نہ ہو سکا تو اسلوب ناقص کہلاتے گا۔ بقول مذش مرے، اسلوب کا دار و مدار واضح اظہارِ خیال پر ہے۔ جہاں یہ نہیں وہاں اسلوب نہیں۔^۱ شاید اسی لئے انطاول فرانس نے صرف وضاحت ہی کو اسلوب کے لئے سب کچھ کہا ہے: پہلے وضاحت، پھر وضاحت اور آخر وضاحت۔^۲ اور یہ وضاحت صرف محنت کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ انگریز نقاد نے واضح نثر کو موسم بہار کی خوشگوار ہوا سے تشبیہ دی ہے۔

اسلوب بیان سے متعلق (مولانا) حالی نے صحیح کہا ہے کہ، "جو لوگ تصنیف کے درد سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کلام میں لذت اور قبولیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے ایک ایک لفظ میں مصنف کے خون جگر کی چاشنی نہ ہو اور جس قدر اس میں زیادہ صفائی اور گھلاؤٹ پائی جائے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ اس کی درستی اور کاث چھاث میں زیادہ دیر لگی ہوگی۔^۳

تحقیقی مقالہ چوں کہ واقعات و حقائق پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اس میں لفاظی یا افسانہ طرازی، خطابت یا شاعرانہ نگین، بیانی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ یہ با تیک مقالہ کی عظمت کو کم کرتی ہیں۔ اگر مواد (حقائق) کی کمی ہے تو نگین، بیانی، لفاظی یا خطابت اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ ہے جذباتی طرز استدلال اور ناصحانہ انداز بیان کے لئے بھی تحقیقی مقالہ میں کوئی جگہ نہیں۔^۴ غیر متعلق بات کا ذکر کر کے یا غیر ضروری تفصیلات دے کر مقالہ یا کتاب کا جنم نہ بڑھایا جائے۔ عبارت میں یکسانی برقرار رکھنا بھی ضروری ہے۔ ابوالکلام لکھتے لکھتے آزاد لکھے

۱۔ F. L. Lucas، کتاب مذکور، باب ۳، ص ۸۸

۲۔ Middleton Murry، The Problem of Style، باب ۳، ص ۶۶

۳۔ F. L. Lucas، کتاب مذکور، باب ۳، ص ۵۵

۴۔ خواجہ الطاف حسین حالی، حیات سعدی، دوسرا باب، ص ۹۷

۵۔ C. V. Good and D. E. Scates، کتاب مذکور، باب ۱۰، ص ۸۷۶

۶۔ F. L. Whitney، کتاب مذکور، باب ۱۶، ص ۳۱۷

دینا یاد ہلی لکھتے شاہ جہان آباد، یا کہیں دہلی لکھ رہے ہیں اور کہیں دلی، مناسب نہیں۔ اس غیریکسا اندازِ بیان سے پڑھنے والے کو الجھن ہو سکتی ہے۔

لفظوں کا غیر ضروری استعمال انشا پردازی پر برابر اثر ذاتی ہے۔ لفظوں میں تو انائی ہوتی ہے اور تو انائی کو ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس تو انائی کا صحیح استعمال عبارت میں خشن پیدا کرتا ہے۔ ”گلستان میں جو مضامین اور خیالات ہیں ایسے اچھوٰتے اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی فصاحت اور تناسب نے سحر پیدا کر دیا ہے۔“^۱

لفظوں کا صحیح استعمال چینی فلسفی کون فیوش کے نظام اخلاق میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے ایک شاگرد زالونے اس سے کہا کہ:

”فرض کیجئے کہ ایک ریاست کا والی آپ کو دعوت دیتا ہے کہ آپ کے نظام حکومت کو چلانے میں اس کی مدد کریں۔ اس وقت آپ سب سے پہلے کیا قدم اٹھائیں گے؟ کون فیوش نے جواب دیا، سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ الفاظ کا صحیح استعمال شروع کیا جائے۔ زالونے مذاق سمجھا اور پھر سوال کیا۔ اس پر کون فیوش کو غصہ آگیا اور اس نے ترش لہجہ سے کہا، تم کتنے بد اخلاق ہو۔ اگر الفاظ صحیح نہ ہوں تو زبان واقعات کے تابع نہیں ہو سکتی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کے تمام معاملات درہم برہم ہو جائیں گے، اخلاق ناپید ہوگا، انصاف دنیا سے مت جائے گا، معصوم لوگ سزا پائیں گے اور گناہ گار اور مجرم آزادی سے لوگوں کو اپنے ظلم کا تختہ مشق بنائیں گے۔ اس لئے ایک مصلح کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ صحیح الفاظ کا استعمال کرے۔“^۲

تحقیقی مقالہ میں پیش پا افتادہ فقرہ، فرسودہ ادبی مثالوں یا مثلوں، عامیانہ محاوروں، بول چال کے محاوروں، خطابات اور ڈگریوں، واحد متكلم اور مدیرانہ جمع متكلم کے استعمال سے

^۱۔ (مولانا) شبلی نعمانی، شعر الجم، طبع سوم، جلد چہارم، باب اول، ص ۷۳

^۲۔ بشیر احمد ڈار ”حکیم کون فیوش اور چینی فلسفہ اخلاق“، حملائے قدیم کا فلسفہ اخلاق، ص ۱۳

بچنا ضروری ہے۔ لے، میں، یا، ہم کے بد لے مرتب، رقم سطور، مضمون نگار یا اس قسم کا کوئی دوسر الفاظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

رائے قائم کرنے اور اس کے اظہار میں محتاط ہونا چاہئے۔ اردو میں صفات کا استعمال بہت ہوتا ہے۔ اس میں بھی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ بے انتہاد لچپ، نہایت ہی عمدہ، بالکل بے کار، ناقابل یقین، وغیرہ قسم کی رائے زنی سے بچنا چاہئے۔ اگر کسی پیش رو یا ہم عصر محقق کی کسی غلطی کی نشان دہی کی جائے تو طرز و حقارت کا اظہار نہ ہونے پائے۔ بلکہ سنجیدہ اور نرم لہجہ میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اسی طرح مبالغہ آمیز مدح سراہی (یا اس کے برعکس دل آزار تنقید) سے پرہیز کیا جائے۔ تنقید کی حالت میں لہجہ تند و تیز نہ ہو بلکہ زم اور ہمدردانہ ہو، یہاں تک کہ تلخ حقائق کو بھی سنجیدگی اور نرمی سے پیش کیا جائے۔

مقالات کو ابواب پر تقسیم کیا جائے۔ ہر باب کی سرخی جملی حروف میں صفحہ کے وسط میں لکھی جائے۔ ثانوی سرخی (اگر ہے) اس کے نیچے کسی قدر خفی قلم سے ہو۔ ذیلی سرخیاں کتاب کے عام قلم سے یا ذرا جملی لکھی جائیں اور پیراگراف کی شکل میں لکھی جائیں۔ سرخیاں، جہاں تک ممکن ہو، مختصر ہوں۔

عبارت میں پیراگراف ضرور بنایا جائے۔ ایک پیراگراف میں حتی المقدور ایک ہی بات کہی جائے۔ پیراگراف نہ بہت چھوٹے چھوٹے ہوں اور نہ بہت لمبے لمبے۔ لمبے پیراگراف پڑھنے والے کے لئے تکلیف کا باعث ہوتے ہیں۔

اقتباس کی عبارت احتیاط سے نقل کی جائے اور اسے واوین، ”میں رکھا جائے تاکہ وہ محقق کی عبارت سے نمایاں ہو سکے۔ اگر عبارت مختصر ہے، تین چار سطروں تک کی، تو اسے متن کے ساتھ اور متن کے قلم سے لکھنا چاہئے۔ لیکن اگر طویل ہے، چار سطروں سے زیادہ کی، تو اسے متن سے الگ کر کے لکھنا ہوگا اور اس کا قلم متن کے قلم سے نمایاں طور پر خفی ہوگا۔ اس کی سطروں بھی نسبتاً مختصر ہوں گی، یعنی دائیں بائیں جگہ چھوٹی رہے گی۔ اس طرح وہ متن کی عبارت سے نمایاں ہوگی۔ یورپ، امریکا وغیرہ میں اقتباس کی عبارت کو واوین کے استعمال

کے بغیر لکھنے اور سطر کو متن کے برابر لکھنے کا چلن ہے۔ اردو میں بھی یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر سطر میں نسبتاً چھوٹی ہوں گی تو عبارت نمایاں رہے گی۔ لیتوکی طباعت میں یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے۔

اقتباس کی عبارت میں مخدوف جملوں یا فقروں کا اظہار تین نقطے (...) لگا کر کیا جاتا ہے۔ اگر جملہ یا پیراگراف کا آخری حصہ مخدوف کرنا ہو تو چار نقطے (....) لگائے جائیں۔ اگر پورا پیراگراف مخدوف ہے تو نقطوں کی پوری سطر سے اس کا اظہار کیا جائے۔ اقتباس کی عبارت میں کوئی اضافہ یا توجیہی شرح کرنے کی ضرورت پڑے تو اسے بریکٹ [] میں رکھا جائے۔ اگر عبارت میں کوئی ناقابل فہم غلطی ہے تو قیاساً اس کی صحیح نہ کی جائے بلکہ اس لفظ یا فقرہ کے آگے قوسین میں (کذ) لکھ دیا جائے۔

بعض اوقات کسی دوسری زبان مثلاً عربی یا انگریزی کی عبارت کا ترجمہ کر کے اقتباس کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اقتباس کسی دوسرے کی عبارت یا کلام کو اپنی تحریر میں نقل کرنے کو کہتے ہیں۔ ترجمہ کی صورت میں خیالات تو دوسرے کے ہوتے ہیں لیکن زبان اس کی نہیں ہوتی۔ اسلئے اصل اور ترجمہ میں فرق کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ترجمہ کی عبارت کو بغیر واوین کے نقل کیا جائے۔ باقی تمام شرائط وہی ہوں گی جو اصل عبارت کے لئے ضروری ہیں۔ مقالہ میں مخففات کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔ یہ قاری کو الجھن میں ڈال دیتے ہیں۔

لیکن فٹ نوٹ میں ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔

انگریزی میں سو سے کم نمبر ہندسے کے بدلتے لفظ میں لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح سیکڑے کے نمبر، مثلاً دوسو، تین سو وغیرہ لفظوں میں لکھے جاتے ہیں۔ اگر جملہ کے شروع میں نمبر آتا ہے تو اسے بھی لفظ میں لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اچھا ہے اور اسے اردو میں بھی اختیار کرنا چاہئے۔

حاشیہ اور حوالہ:

تحقیقی مقالہ بڑی حد تک دوسرے مصنفین کی کتابوں اور تحریروں، دستاویزوں،

روکنداوں وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے اسلئے حاشیہ میں ان کا اعتراف کرنا اور انھیں اہمیت دینا ضروری بلکہ محقق کا اخلاقی فرض ہے۔ یہ اعتراف صرف عبارت کی حد تک نہ ہو بلکہ اگر مصنف کے خیالات سے استفادہ کیا گیا ہے تو اس کا اقرار بھی ضروری ہے۔ لے دوسرے کی محنت کو بغیر اعتراف و اقرار کے اپنالینا علمی و تحقیقی دیانت کے خلاف ہے۔

فت نوٹ کے ذریعہ جہاں مختلف مصنفوں اور کتابوں سے استفادہ کا اعتراف ہوتا ہے وہیں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ محقق کے استعمال کئے ہوئے مواد کے مستند ہونے کا بھی پتا چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اسی موضوع پر یا موضع کے کسی خاص پہلو سے متعلق زیادہ تفصیل سے جانا چاہتا ہے تو آسانی سے وہاں تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔

فت نوٹ کا ایک مقصد اور ہے اور وہ یہ کہ متن میں جوبات کہی گئی ہے اس کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچانا یا کسی اصطلاح کی تشریح کرنا یا بیان کے کسی خاص پہلو کی مزید وضاحت کرنا۔ آکسفورد یونیورسٹی کے پروفیسروں کی یہ ہدایت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ تشریحی فٹ نوٹ کم سے کم ہوں اور زیادہ سے زیادہ مختصر ہوں، اور جوبات متن میں جگہ پانے کی مستحق نہ ہو اسے حاشیہ میں بھی دینے کی ضرورت نہیں۔ ۲

حوالہ یا فٹ نوٹ عموماً صفحہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ حوالہ کا نمبر جملہ ختم ہونے پر علامت وقفہ (—) کے بعد اور سطر سے ذرا اوپر یا اس مخصوص لفظ پر جس کی وضاحت مقصود ہے، دیا جائے۔ متن کی عبارت اور حوالہ یا حاشیہ کی عبارت میں فرق کرنے کے لئے پیچ میں ایک لکیر کھیچ دینا ضروری ہے۔ حوالہ یا فٹ نوٹ کی عبارت کے حروف متن کی عبارت کے حروف سے نمایاں طور پر خفی ہوں۔ ہر تشریحی نوٹ پیر اگراف کی شکل میں شروع ہو۔ فٹ نوٹ لکھنے یا حوالہ دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ متن میں نمبر دیتے جائیں اور باب کے آخر میں تمام نوٹ نمبر وار درج کئے جائیں۔ کبھی کبھی تمام حوالے اور نوٹ کتاب کے خاتمه پر درج کئے جاتے

— ۱۔ C. B. Williams and A. H. Stevenson، کتاب مذکور، ترمیم شدہ ایڈیشن، باب ۸، ص ۱۱۹، ۱۲۰،
— ۲۔ Notes on the Presentation of Theses on Literary Subjects، ص ۳

بیں۔ موجودہ دور میں مسودہ تیار کرتے وقت فٹ نوٹ کی عبارت (اگر پہلا طریقہ اختیار کرنا ہے) متن کی عبارت کے ساتھ ہی لیکن بریکٹ [] میں لکھ دی جاتی ہے۔ عبارت یا جملہ یا حوالہ سے پہلے 'ف' (فٹ نوٹ) سرخ روشنائی سے لکھ دینا چاہئے۔ اس سے کپوزیٹ کو سہولت ہوگی۔ مگر اس کی پابندی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ کتاب ٹاپ میں چھپنے والی ہو۔ کتابت کی صورت میں یہ طریقہ مضر ثابت ہوگا۔

اگر حاشیہ میں اقتباس دیا جائے تو واوین " " میں ہوا اور اس کے خاتمہ پر قوس میں میں اس کا مأخذ بتا دیا جائے۔

اگر ایک صفحہ پر دو یا دو سے زیادہ حوالے ہوں تو ایک حوالہ کے نیچے دوسرا حوالہ دیا جائے، مسلسل نہ دیا جائے۔ لیکن اگر ایک ہی بیان یادگوئے کے دو یا اس سے زیادہ حوالے دینا ہو تو سب کو ایک قطار میں دینا چاہئے۔ بیچ بیچ میں یہی کولن (:) لگاتے جائیں۔

ثانوی مأخذ کی شکل میں پہلے اس مأخذ کا حوالہ دیا جائے جو محقق کے پیش نظر ہے اور پھر اصل مأخذ بتا دیا جائے۔ اصل مأخذ بتانے سے پہلے، بحوالہ یا 'منقول از' لکھ دیا جائے۔

حوالہ دینے کا کوئی مخصوص طریقہ یا اصول معین نہیں ہے، لیکن جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اس کی پابندی شروع سے آخر تک کی جائے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب کسی کتاب کا پہلی بار حوالہ دیا جائے تو اس کی تھوڑی سی تفصیل دے دی جائے۔ مکمل تفصیل کتاب کے آخر میں کتابیات یا فہرست مأخذ کے تحت ہوگی۔ لیکن مضمون کی صورت میں مکمل تفصیل اسی موقع پر دینا ہوگی۔ مکمل حوالہ میں مندرجہ ذیل اطلاعات کا ہونا ضروری ہے:

مصنف یا مرتب کا نام، کتاب کا نام، اڈیشن (اگر ہے)، مقامِ اشاعت، ناشر، سال اشاعت، جلد (اگر ہے)، باب (اگر ہے) صفحہ یا صفحات

ظاہر ہے کہ یہ حوالہ بہت طویل ہے اسلئے اسے مختصر کر کے اس طرح دیا جاسکتا ہے:

محمد حسین آزاد، آب حیات، طبع یا زدہم، ص ۱۰۱

یا

محمد حسین آزاد، آب حیات، طبع یا زدہم (لاہور، ۱۹۱۱ء)، ص ۱۰۱

پھر جب اسی کتاب کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو یوں دے سکتے ہیں:
محمد حسین آزاد، آب حیات، ص ۲۰۸

یا

محمد حسین آزاد، کتاب مذکور، ص ۲۰۸
اگر فوراً اسی مصنف اور اسی کتاب کا حوالہ دینا ہو تو وہ حسب ذیل ہو گا:
الیضا، ص ۲۱۵
اور اگر صفحہ بھی وہی ہو تو حوالہ یوں ہو گا:
الیضا

جو کتاب دو یادو سے زیادہ جلدوں میں ہوا سکنے حوالہ میں جلد کا نمبر دینا ضروری ہے۔

مثلاً

ڈاکٹر مجید الدین قادری زور، فہرست مخطوطات ادارہ ادبیات اردو، جلد دوم، ص ۳۳
اگر کتاب مختلف ابواب پر تقسیم ہے تو باب کا ذکر ضروری ہے۔ جیسے
پنڈت برجمون دتا تریہ کیفی، کیفیہ، بار دوم، تیر ہوان باب، ص ۱۷
اگر کسی کتاب کا صرف ایک ہی باب یا مضمون موضوع تحقیق سے متعلق ہے تو اس کا
حوالہ اس طرح دیا جائے کہ مصنف یا مرتب کے نام کے بعد پہلے باب یا مضمون کا عنوان
و اون میں لکھا جائے اور پھر کتاب کا نام اور صفحہ کا نمبر۔ جیسے
پنڈت برجمون چکبست، "اوده تیخ"، مضافین چکبست، ص ۲۳۵

مرتبہ کتاب کا حوالہ:

عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی، تذکرہ میخانہ، مرتبہ محمد شفیع، ص ۳۵۰
مولوی مہیش پرشاد، مرتبہ، خطوط غالب، ص ۱۱۸

کسی کتاب کے مقدمہ کا حوالہ:

بیگم مہدی حسن، مرتبہ، مکاتیب مہدی، مقدمہ از (مولانا) سید سلیمان ندوی، ص ۵

جس کتاب پر مصنف یا مرتب کا نام نہ ہو:

علی گڑھ تاریخ ادب اردو، ص ۲۲۳

کلاسکی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف کا نام دینا ضروری نہیں۔ مثلاً باغ و بہار،

جامعہ اڈیشن، سیر پہلے درویش کی، ص ۳۲

انسانکلو پیڈیا کے مضمون کا حوالہ:

عبدالجید سالک، "آزاد"، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱، ص ۱۱۲

لغت کا حوالہ:

سید احمد دہلوی، فرنگ آصفیہ، جلد دوم
لغت کے حوالہ میں صفحہ کا نمبر بتانے کی ضرورت نہیں۔

روئیاد:

انجمان اسلام، سالانہ رپورٹ انجمان اسلام، بسمی، بابت ۳۱-۱۹۳۰، ص ۳۵

خطوط، انٹرویو، سوانح امامہ وغیرہ:

سید مسعود حسن رضوی (لکھنؤ) مکتوب بنام مولف (مرتب، مضمون نگار)، مؤرخہ ۱۹۶۰ء

جون ۱۹۶۰ء

ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ذاتی انٹرویو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، ۶ جولائی ۱۹۶۵ء،
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی) بحوالہ سوانح امامہ مرتبا مولف (مرتب، راقم مضمون)
اگر کسی کتاب کا حوالہ بار بار دینا پڑے تو ہر بار اس کا نام لکھنے کے بد لے کتاب مذکور
لکھا جاسکتا ہے، بشرطیکہ پڑھنے والے کے لئے کسی الجھن یا غلط فہمی کے پیدا ہونے کا امکان نہ
ہو۔ مثلاً ایک مصنف کی دو یادو سے زیادہ کتابوں کے حوالہ کی صورت میں "کتاب مذکور" کا
استعمال اس کے لئے الجھن کا باعث ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر بار کتاب کا نام لکھنا بہتر
ہوگا۔

رسالہ کے مضمون کا حوالہ کتاب کے حوالہ سے کسی قدر مختلف ہوگا۔ اس کے مختلف اجزاء حسب ذیل ہوں گے:

مضمون نگار، عنوان مضمون (دواں میں)، رسالہ کا نام، جلد اور شمارہ (بریکٹ میں سال دے دینا بھی مناسب ہوگا)، صفحہ

مثلاً

نصر الدین ہاشمی، ”دھنی مرشیوں کا ایک نایاب مجموعہ“، نوائے ادب، جلد ۱۰، شمارہ ۳ (۱۹۵۹ء)، ص ۱۶

اسی مضمون کا دوسرا بار حوالہ:

نصر الدین ہاشمی، ”دھنی مرشیوں کا ایک نایاب مجموعہ“، ص ۱۸

اگر فوراً اسی مضمون کا حوالہ دینے کی ضرورت پڑتے تو یوں دے سکتے ہیں:

ایضاً، ص ۲۲

اور اگر صفحہ بھی وہی ہو تو حوالہ یوں ہوگا:

ایضاً

ان مثالوں کی روشنی میں محقق نئے نئے حوالے خود بناسکتا ہے۔

پی ایچ ڈی کا مقالہ:

پی ایچ ڈی کا مقالہ $2\frac{1}{2} \times 11 \times 8\frac{1}{2}$ سائز کے عمدہ کاغذ پر لکھا یا میپ کرایا جائے۔ دائیں طرف ڈیزہ انچ کا اور باعیں طرف ایک انچ کا حاشیہ چھوڑا جائے۔ اور پر $1\frac{1}{4}$ اور $1\frac{1}{2}$ انچ کا حاشیہ ہونا چاہئے۔ ہر صفحہ پر نمبر دیا جائے۔ نمبر صفحہ کے سرے پر چاہے پرچیج میں ہو چاہے باعیں طرف۔ مقالہ سے پہلے دیباچہ، فہرست وغیرہ کے نمبر لفظ میں دے جائیں۔ مقالہ کے خاتمه پر ضمیمه، کتابیات وغیرہ کے نمبر مقالہ کے صفحات کے نمبر کے ساتھ مسلسل ہوں۔ لکھنے والے کا خط اچھا ہو۔ کاربن پیپر سیاہ رنگ اور عمدہ قسم کا استعمال کیا جائے۔

مسودہ (خواہ تالیف ہو یا پی ایچ ڈی کا مقالہ) مکمل ہونے کے بعد مقالہ کی حسب

ذیل شکل ہوگی:

۱- ٹائش کا صفحہ: کتاب کا نام واضح اور دلکش مگر مختصر ہو۔ مبہم یا طویل نام سے بچنا چاہئے۔ اگر پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے تو اس پر مقالہ کا عنوان، طالب علم کا نام، ڈگری، یونیورسٹی کا نام اور مقالہ پیش کرنے کی تاریخ (مہینہ اور سال) درج ہوگی۔

۲- دیباچہ: جہاں تک ممکن ہو مختصر لکھا جائے۔ اس میں سبب تالیف یا نقطہ نگاہ، اظہارِ ممنونیت وغیرہ ہو۔ (اگر کسی سے یا کچھ لوگوں سے غیر معمولی مدد ملی ہو تو اس کے لئے، اظہارِ تشکر" کے عنوان سے الگ صفحہ رکھا جاسکتا ہے۔) اظہارِ ممنونیت میں مبالغہ سے کام نہ لیا جائے۔ اپنے رہنماء اور کتب خانہ کے ناظم کا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ محقق کی رہنمائی یا مدد کرنا ان کے فرائض میں داخل ہے۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کا شکریہ ادا کرنا بھی غیر ضروری ہے۔

۳- فہرست مندرجات

۴- نقشوں، تصویروں وغیرہ کی فہرست

۵- مقالہ مختلف ابواب پر تقسیم ہوگا۔

۶- ضمیمه: ایسا مواد جو متن کے لئے ضروری نہ ہو یا متن کے حسن کو مجرور کرتا ہو، لیکن جس سے مصنف کے بیان یا بیانات کی مزید تائید ہوتی ہو، کتاب کے آخر میں ضمیمه کے طور پر دیا جائے۔ بعض اوقات کتاب کی طباعت کے دوران میں مفید مواد حاصل ہوتا ہے۔ اسے بھی ضمیمه کے طور پر شامل کیا جائے۔ مقالہ یا کتاب کے مختلف پہلوؤں کی مناسبت سے ایک سے زیادہ ضمیمے ہو سکتے ہیں۔ نقشے، ڈائیگرام وغیرہ بھی ضمیمے کے طور پر دیے جاسکتے ہیں۔

۷- کتابیات یا فہرست مآخذ

۸- اشاریہ (پی ایچ ڈی کے مقالہ میں اس کی ضرورت نہیں۔)

کتابیات یا فہرست مآخذ:

کتاب یا مقالہ کے خاتمہ پر مآخذ کی فہرست دینا آج کل کا عام دستور ہے۔ اس

فہرست سے قاری کو کتاب کے مآخذ معلوم ہونے کے علاوہ مواد کے استناد، اہمیت و افادیت وغیرہ کا اندازہ ایک جھلک میں ہو جاتا ہے۔ کتابیات مختص کتابوں کے زیادہ سے زیادہ نام گنانے کے لئے نہ ہو۔ جو کتاب بھی ہو براہ راست موضوع سے تعلق رکھتی ہو اور اس سے مصنف یا مقالہ نگار نے اپنی تصنیف یا مقالہ میں استفادہ کیا ہو۔ ایک کتاب موضوع سے متعلق تو ہے لیکن گھٹیا قسم کی ہے اور مقالہ نگار یا مصنف کو اس سے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوئی، ایسی کتاب کا نام فہرست میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ فہرست مآخذ منتخب ہونا چاہئے۔

کتابیات تیار کرنے میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو نوٹ لینے میں اختیار کیا گیا تھا، یعنی تراشے پر مصنف کا نام، کتاب کا نام اور دوسری ضروری معلومات نوٹ کی جائیں تاکہ انھیں حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دینے میں سہولت ہو۔ کتابیات کا کارڈ عموماً 3x5 سائز کا ہوتا ہے۔

کتابیات پیش کرنے میں اگر چند موئی موئی باتوں کا خیال رکھا جائے تو بہتر ہے۔ مثلاً مخطوطات کی فہرست مطبوعات کی فہرست سے الگ ہو۔ اسی طرح رسائل و جرائد بھی مطبوعات سے الگ رکھے جائیں۔ سب سے آخر میں ذاتی خطوط، سوالنامے وغیرہ ہوں۔ اس طرح فہرست مآخذ (کتابیات) چار حصوں پر تقسیم ہوتی ہے:

۱۔ مخطوطات

۲۔ مطبوع

۳۔ رسائل و جرائد و اخبارات

۴۔ ذاتی خطوط، سوالنامے وغیرہ

اگر فہرست مختصر ہے تو اسے مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں۔

مخطوطات و مطبوعات کی فہرست مصنف وار حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی جائے۔ مخطوط کی شکل میں اس لائبریری کا نام اور پتابانا بھی ضروری ہے جس میں وہ مخطوط محفوظ ہے۔ مثلاً

سعادت ناصر خاں، تذکرہ خوش معرکہ زیبا، کتب خانہ لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

اگر سنہ کتابت نسخہ پر درج ہو تو وہ ضرور دیا جائے۔
 اگر مخطوطہ مصنف کا ذاتی نسخہ ہے یا کسی اور فرد کی ملکیت ہے تو اس کا مختصر ساتھ اشارہ کرنا مناسب ہو گا۔

اگر مطبوعات کی فہرست طویل ہے اور کتاب میں مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں تو انہیں موضوع کے اعتبار سے تقسیم کر دینا بہتر ہو گا۔ اسی طرح اگر کتاب میں مختلف زبانوں میں ہیں تو انہیں زبان کے لحاظ سے تقسیم کر دینا مناسب ہو گا۔ ہر کتاب کے لئے مندرجہ ذیل اطلاعات کا بہم پہنچانا ضروری ہے۔

مصنف یا مرتب کا نام، کتاب کا نام، اڈیشن (اگر ہے)، مقام اشاعت، ناشر (اگر کتاب پر ناشر کا نام نہیں ہے تو مطبع کا نام)، سال اشاعت
 مصنف یا مرتب کے نام لکھنے کا طریقہ اس طریقہ سے الگ ہو گا جو حوالہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اس کا کوئی تخلص ہے تو پہلے تخلص لکھا جائے گا اور پھر نام۔ یا اگر اس کے نام سے پہلے ڈاکٹر یا مولوی یا اس قسم کا کوئی اور لفظ ہے تو پہلے نام ہو گا اور پھر وہ لفظ۔ اس طرح کتابیات اس نجح پر تیار کی جاسکتی ہے:

تصنیف:

آخر جونا گردھی، قاضی احمد میاں، اقبالیات کا جائزہ، کراچی، اقبال اکیڈمی، ۱۹۵۵ء
 نور الہی محمد عمر، نائلک ساگر، لاہور، شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۲۳ء

مرتبہ کتاب:

قاسم، میر قادر اللہ، مجموعہ نفر، مرتبہ محمود شیرانی، لاہور: کریمی پریس، ۱۹۳۳ء

یا

محمود شیرانی، مرتبہ، مجموعہ نفر، مصنفہ میر قادر اللہ قاسم، لاہور، کریمی پریس، ۱۹۳۳ء

انتخاب:

کول، پنڈت کشن پرشاد، گلدن سٹی پنج، لکھنؤ، ہندوستانی پریس، ۱۹۱۵ء

میر، میر تقی میر، انتخاب کلام میر، منتخبہ مع مقدمہ از مولوی عبدالحق، پانچواں اڈیشن، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۳۵ء

یا

عبدالحق، مولوی، منتخبہ مع مقدمہ، انتخاب کلام میر، پانچواں اڈیشن، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۳۵ء

ترجمہ:

یوسف کون، محمد، مترجمہ، مختصر تاریخ ہند مصنفہ ڈبل، اچ، مورلینڈ، مدراس، مدراس یونیورسٹی، ۱۹۵۲ء

جس کتاب پر مرتب یا مصنف کا نام نہ ہو:
نوائے آزادی، بمبئی: ادبی پبلشرز، ۱۹۵۷ء
اگر دیباچہ یا کسی اور مستند ذریعہ سے مصنف یا مرتب کا پتا چل سکتا ہو تو اسے بریکٹ () میں دے دینا چاہئے۔ مثلاً

(عبدالماجد دریابادی، مولانا)، زود پشمیاں، لکھنؤ، الناظر پریس، ۱۹۱۷ء

مخصوص ایڈیشن یا مجموعہ:

حالي، خواجہ الطاف حسین، مسدس حالي، صدی اڈیشن، مرتبہ ڈاکٹر سید عابد حسین، دہلی: حالي پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۳۵ء

عبداللہ، ڈاکٹر سید، مرتبہ، ارمغان علمی، لاہور: مجلس ارمغان علمی، ۱۹۵۵ء

پبلک رپورٹ:

مہدی علی خاں، نواب محسن الملک مولوی سید، رونداد محمدان انگلو اور ہنگلی کانفرنس، علی گڑھ: مطبع احمدی، ۱۹۰۳ء

انسانیکلو پیڈیا، لغت وغیرہ:

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۳، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء

نیر، نور الحسن، نوراللگات، جلد ۳، لکھنؤ: اشاعت العلوم پرائیس، ۱۹۳۱ء

غیر مطبوعہ مقالہ:

ڈاکٹر میمونہ دلوی، بسمی میں اردو، پی ایچ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ، بسمی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء

رسالہ و اخبار:

اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۲۳، (۱۹۳۷-۳۸ء)

معارف، عظیم گڑھ، جلد ۱۹ (۱۹۲۶ء)

اودھ اخبار، لکھنؤ، جلد ۷ (۱۸۹۵ء)

ذاتی خطوط، سوالنامہ وغیرہ:

مہر، مولانا غلام رسول، لاہور، مکتب (مکاتیب) بنام مؤلف (مرتب، مضمون نگار)

مؤرخہ یکم ستمبر ۱۹۵۷ء

صدقی، ڈاکٹر عبدالستار، الہ آباد، جواب سوالنامہ مرتبہ مؤلف (مرتب، رقم مضمون)

اشاریہ:

کتابیات کی طرح اشاریہ بھی علمی و تحقیقی کتابوں میں لازمی طور پر ہونا چاہئے۔ اس کی وجہ سے محقق کو فوراً پتا چل جاتا ہے کہ کتاب میں اس کے کام کی چیز یا چیزیں ہیں یا نہیں۔ اس طرح وہ پوری کتاب کی ورق گردانی سے بچ جاتا ہے۔ اشاریہ کا مقصد اشخاص، مقامات وغیرہ کے نام بتانا نہیں ہے بلکہ ان سے متعلق کتاب میں کوئی اطلاع یا اطلاعات بھم پہنچائی گئی ہوں۔ اگر کتاب ضخیم ہے تو اشاریہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اشخاص کے نام

۲۔ مقامات کے نام

۳۔ کتابوں کے نام

اشاریہ کا انحصار دراصل موضوع یا مضمون کتاب پر ہے۔ مثلاً کتاب باغبانی کے موضوع پر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں پودوں اور پھولوں کا ذکر کثرت سے ہوگا۔ اس لئے ان کا اشاریہ بنانا ہوگا۔ کتاب میں پرندوں کا ذکر کثرت سے ہوا ہے تو ان کا بھی اشاریہ بنایا جائے۔ تاریخ کی کتاب میں اہم واقعات کا بھی اشاریہ ہوگا۔ مختصر ایوں کہا جاسکتا ہے کہ اشاریہ کتاب کے متن کے مطابق ہونا چاہئے، یعنی جن جن چیزوں کا ذکر زیادہ ہوا ہے ان کا اشاریہ بنایا جائے۔

موجودہ دور میں اشاریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور یہ ہے بھی حقیقتاً نہایت مفید اور کام کی چیز۔ اس سے عام قاری کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور تحقیق کرنے والے کو بھی، خصوصاً نئے محقق کو۔ اس کے ذریعہ اس کی رہنمائی بھی ہوتی ہے اور وقت بھی بچتا ہے۔ اسلئے اشاریہ محنت اور دلچسپی سے تیار کرنا چاہئے اور جتنے اہم موضوع کتاب میں ہوں سب کا اشاریہ بنانا چاہئے۔



تحقیق و صحیح متن

تحقیق کی ایک شاخ کسی مخطوطہ کی تصحیح و ترتیب ہے۔ اس کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کسی موضوع پر مقالہ لکھنے کی، بلکہ بعض حالات میں اس کی اہمیت مقالہ سے بڑھ جاتی ہے۔ بظاہر یہ کام آسان نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً خاصہ وقت طلب اور دشوار ہے اور اس میں متعدد کلٹھن منزليں آتی ہیں۔ شاید اسی لئے بعض لوگ اسے مرض خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ نہ مرض ہے اور نہ سائنس۔ ان محققوں کے سامنے جن کی تحقیق کا انحصار مخطوطات پر ہوتا ہے، چند مسائل آتے ہیں۔ انھیں حل کرنے میں عقل سلیم کے استعمال کا نام متن کی تصحیح و ترتیب ہے۔

کسی مخطوطہ کو مرتب کرنے کا مقصد محض ایک کتاب کو گنایمی سے نکال کر شائع کر دینا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد مصنف کے اصل افکار، انداز تحریر اور زبان تک پہنچنا ہے، یعنی ایک صحیح نسخہ تیار کرنا ہے۔ اسی لئے Postgate نے متن کی تصحیح کو انسانی ذہن کی باقاعدہ اور ماہرا نہ مشق کہا ہے۔

نسخہ یا مخطوطے عموماً تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا یا

۱۔ دیباچہ، ص ۲، A companion to Classical Studies, F. W. Hall۔

۲۔ Introduction to Indian Textual Criticism, S. M. Katre، باب ۱، ص ۸۔

مصنف کی فرماش سے لکھا اور مصنف کا تصحیح کیا ہو انہے۔ (۲) مصنف کے زمانہ کے بعد کے نئے جو مصنف کے نئے سے نقل کئے گئے۔ (۳) ان نقلوں کی نقلیں۔

تحقیق و تصحیح کا کام دراصل اسی آخری شق کے نسخوں کے سلسلہ میں ہے کیونکہ نقل سے نقل کرنے میں غلطیوں کے راہ پانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوانہ بھی غلطیوں سے پاک نہیں ہو سکتا اور اگر نشان دہی کی جائے تو اس کو ان کے تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا۔ (۲) لکھنے میں الفاظ چھوٹ جاتے ہیں، مکرر لکھ جاتے ہیں، اور کبھی کبھی غلط بھی تحریر ہو جاتے ہیں۔ مگر غلطیوں کے باوجود مصنف کے خود نوشتہ نسخہ کی اہمیت مسلم ہے۔ اسکی موجودگی سے کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں اس سے قریب ترین نسخہ کو معتبر مانا ہوگا۔ بعض اوقات کسی کتاب کا صرف ایک ہی نسخہ موجود یا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تصحیح و ترتیب کا کام خصوصاً مشکل ہے۔

تحقیق متن کی دشواریاں:

اردو میں عربی رسم خط کی بنا پر تحقیق و تصحیح متن کا کام نسبتاً زیادہ دشوار ہے۔ ان دشواریوں کا تجزیہ ایک محقق نے خوبی سے کیا ہے۔ اسے اختصار کے ساتھ یہ نیچے نقل کیا جاتا ہے:

۱- اس رسم خط میں نقطے دار حروف کی تعداد زیادہ ہے یا یوں کہئے کہ نقطوں سے حروف کی مزید شکلیں معین ہوئی ہیں۔ اردو میں ث، ڈ، ڑ وغیرہ کی قدیمی شکلیں نقطوں کے اضافے سے ظاہر ہوتی تھیں۔

۲- ایک سے زیادہ نقطے ہونے اور نقطے دار حروف کے پے در پے آنے سے تحقیق متن کا مسئلہ دشوار ہو جاتا ہے۔

۳- نقطوں کو ملا کر لکھنے سے نقطوں کا تقدم و تاخیر مشکل اور پھر لفظوں کا تعین دشوار ہو جاتا ہے۔

۴- اگر حروف الگ الگ ہوں تو نقطوں سے اتنی دشواری نہ ہو لیکن جب پورے حروف کی نشان دہی صرف شو شے اور ان پر کے نقطے کرتے

ہوں اور نقطوں کا باقاعدہ اہتمام نہ ہوتا ہو تو پھر لفظوں کے تعین میں کیا کیا
قباحتیں نہ پیدا ہوتی ہوں گی، اور شکلتہ تحریر میں نہ نقطوں کا التزام ہوتا ہے
اور نہ شوشوں اور مفرد حروف کی شکل باقی رکھی جاتی ہے تو پھر قیاس ہی کی بنابر
سارا فیصلہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک عالم کے قیاس پر سو فی صدی
بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تو ایک کتاب جس نے کسی شکلتہ تحریر کی نقل کی ہو، اس
کے قیاس پر کیوں کرا عتماد کیا جائے۔

۵- حروف کے اختصار یعنی شوشوں اور تشدید کے لفظ کے املائیں جگہ
نہ پانے کی بنا پر ہجاؤں (Syllables) کا تعین عام طور پر دشوار ہو جاتا
ہے۔

۶- بسا اوقات جملے کے بعض لفظوں کو ایک خاص انداز میں پڑھنے
سے نئے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ فارسی اور اردو میں استفہام اقراری اور
انکاری کو مثال میں پیش کر سکتے ہیں، خوب آئے، کہہ کر، نہیں آئے، مراد لینے
یا، نہیں جاؤ گے سے معنی ثابت پیدا کرنے کے لئے کوئی مخصوص علامت نہیں
ہے۔

۷- حروف کی صوری اور صوتی یکسانی التباس کا سبب بن جاتی ہے۔
و، د، ذ، ز وغیرہ کا التباس اتنا عام ہے کہ ایک ایک لفظ کی تین تین، چار چار
املائی شکلیں بن جاتی ہیں۔ ه، ج، س، ش، ص، ث، ط، ت، ض، ظ، ز، ذ، ز
کی ایک دوسرے میں تبدیلی صوری اور صوتی یکسانی کا نتیجہ ہے۔

۸- ہماری زبان کے وہ حروف تھیں جو ایک دوسرے سے پہلوست
نہیں ہوتے، ان سے تعین متن میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ ایک لفظ کے
آخری حرف دوسرے لفظ کے ابتدائی حرف متصور ہوتے ہیں۔ کبھی ایک ہی
مفرد لفظ دو مفرد لفظ متصور ہونے لگتا ہے۔

۹- ہائے فارسی، جیم فارسی، زائے فارسی، کاف فارسی، مدتوں ب،

ج، ز کی شکل میں لکھے جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے متن کی تحقیق میں دشواری ہوتی تھیں۔

۱۰- زیر، زبر، پیش (حرکات) کے لفظ کے املائیں شامل نہ ہونے کی وجہ سے دلفظوں کے درمیان صوری فرق بہت کم رہ جاتا ہے۔

۱۱- فارسی علامت اضافت جوار دو میں بھی راجح ہے اگر ہمیشہ لکھی جاتی یا املائیں شامل ہوتی تو متن کا تعین قدرے آسان ہو جاتا۔

۱۲- اردو رسم خط میں قدیم (زمانہ) میں ہائے مخلوط اور ہائے ہوز میں بہت کم فرق کیا جاتا تھا۔

۱۳- اردو کے قدیم رسم خط میں یاۓ معروف و مجہول کا املائی فرق نہ تھا، البتہ صوتی فرق تھا۔ اردو کا یہ (ایک) اہم مسئلہ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یاۓ معروف و مجہول کا تعلق براہ راست زبان سے ہے۔ اکثر یاۓ مجہول سے مذکر اور جمع اور یاۓ معروف سے مؤنث اور واحد کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں کی الگ الگ املائی شکلیں مقرر رہتی ہیں۔ یاۓ معروف ’ے‘ کی شکل میں اور یاۓ مجہول ’ی‘ کی طرح بھی لکھی جاتیں۔

الحاقد کلام:

قدیم متنوں میں جو تصرفات و تحریفات ہوتی تھیں ان کا ایک بڑا سبب ہمارے رسم خط کی مذکورہ بالا خصوصیتیں یا دقتیں تھیں۔ محقق کو ان خصوصیتوں پر غور کرنا اور انھیں سمجھنا ہوگا۔ کم سواد کا تب کی سہل انگاری اور اس کی اصلاحیں بھی تحریفات کا باعث ہوتی تھیں۔ رسم خط کی خرابیوں اور املائی دقوں کی وجہ سے لفظی تحریفات ہوتی تھیں، لیکن ان سے بڑھ کر تحریف ایک شاعر کے کلام میں دوسرے شاعر یا شاعروں کا کلام شامل کر لینا ہے۔ الحاق کلام کے مختلف اسباب ہوتے تھے جن میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں:

ل۔ ڈاکٹر نذری راحمد ”تحقیق و صحیح متن کے مسائل“، نقوش، لاہور، نمبر ۹۷، (۱۹۶۳ء)، ص ۷۷ تا ۱۰۷

”۱۔ کبھی کبھی مختلف شاعروں کی ایک ہی زمین والی غزلوں اور ان کے متنوں میں خلط ملٹ ہو جاتا ہے۔

۲۔ ایک ہی تخلص کے شاعروں کے کلام میں التباس عام ہے۔

۳۔ بیاضوں کے ولہ، منہ، ایضاً جیسی علامتوں کے غلط لگ جانے سے ایک شاعر کا کلام دوسرے کی طرف بآسانی منسوب ہو جاتا۔

۴۔ ایک شاعر جو کسی حاص صنف میں اور کسی مخصوص طرز کے لئے مشہور ہو گیا تو اس کے مشابہ بہت سی چیزیں جو دوسروں کی ہوتی ہیں، وہ مخصوص شاعر کی طرف منسوب ہو جاتی ہیں۔

۵۔ منتخب دیوانوں کا مجموعہ بھی بڑا التباس پیدا کرتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درمیان سے وہ ورق نکل جاتا ہے جس پر شاعر کا نام درج ہوتا ہے تو سارا کلام اس سے پہلے کے شاعر کے نام منسوب ہو جاتا ہے، خصوصاً ایسا کلام جس میں تخلص کم آتا ہے۔ قصیدوں اور رباعیوں میں الحاق کی بڑی وجہ یہی ہے۔

۶۔ کبھی کبھی باپ اور بیٹے کے کلام میں سہل انگاری کی بناء پر التباس ہو جاتا ہے اور یہ التباس بڑی غلط فہمی کا سبب بن جاتا ہے۔

۷۔ کبھی کبھی محبوب ہستی کے مرتبے کے پیش نظر بعض دوسری کتابیں ان کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں یوسف زلیخاے فردوسی، بعض مشنویات عطار، دیوان خواجہ معین الدین چشتی بطور نمونہ، مشتی از خرواری ’پیش کئے جاسکتے ہیں۔“ ۸۔

محقق متن کی خصوصیات:

ان دقتوں کے پیش نظر صحیح متن کے محقق میں ان خصوصیتوں کے علاوہ جن کا پہلے باب

میں ذکر ہوا چند مزید اور مخصوص صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹرنڈیر احمد نے بجا طور پر مندرجہ ذیل پانچ خصوصیتیں بتائی ہیں:

۱۔ سب سے پہلے اور ضروری خصوصیت یہ ہے کہ محقق طرزِ املاء و تاریخ خط سے واقف ہو کیونکہ اسکے بغیر وہ نسخوں کی قدامت کا تعین نہیں کر سکتا۔ عموماً مخطوطہ کے آخر میں کاتب کا ترقیہ ہوتا ہے جس سے یقین کے ساتھ اس کے زمانہ کا تعین ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے مخطوطات کی بھی کمی نہیں جس میں ترقیہ نہیں ہوتا۔ اس صورت میں محقق کی طریق کی طرزِ خط سے واقفیت نسخے کے زمانہ کے تعین میں اس کی مدد کر سکتی ہے۔ طرزِ خط میں جمالیاتی نقطہ نگاہ سے اور طریق املاء میں ضرورت کے لحاظ سے ہمیشہ تبدیلیاں ہو اکی ہیں۔ اس لئے مختلف ادوار کے طرزِ خط اور طریق املاء سے پوری واقفیت ہونا ضروری ہے۔

۲۔ طرزِ خط سے پورے طور پر واقف ہونے کے لئے خطاطوں کے تذکرہ سے استفادہ ضروری ہے۔ ”قلمی نسخے کی قدر و قیمت کے تعین میں خطاطوں کے تذکروں سے مدل سکتی ہے۔“^۵

۳۔ طرزِ خط اور طریق املاء سے واقفیت کے ساتھ ساتھ کاغذ اور روشنائی کی پہچان بھی محقق کے لئے ضروری ہے۔ ”کاغذ اور سیاہی متن کے متعلقہ امور ہیں جن سے واقفیت سے تحقیق میں مدد ملتی ہے۔۔۔ کاغذ دیساہی کے مختلف اقسام کی واقفیت نسخے کی قدامت و اہمیت متعین کرنے میں بڑی مفید ہوتی ہے۔“^۶

۴۔ محقق متن کو عہد بعهد کی زبان سے واقف ہونا چاہئے۔ زبان میں ہر دور میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ”اس بنا پر محقق متن کے لئے لازم ہے کہ وہ زبان کے ہر دور کی مخصوص خصوصیات کو جانتا ہوتا کہ مصنف کے دور کے تعین میں آسانی ہو۔“^۷

۱۔ ڈاکٹرنڈیر احمد، مضمون مذکور، ص ۱۳

۲۔ ایضاً، مضمون مذکور، ص ۱۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۵

۴۔ ایضاً

۵۔ شعری مخطوط کی تحقیق و تصحیح کے لئے محقق کافن شاعری اور عروض سے پورے طور پر واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ ”قدیم متنوں کی تصحیح خاطر خواہ نہیں کر سکتا۔“^۱

نسخوں کی تلاش اور حصول:

متن کی تحقیق و تصحیح میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ محقق تمام موجودہ نسخوں کا جو مختلف کتب خانوں میں ہیں، پتا گائے اور پھر ان کے حصول کی کوشش کرے۔ اس سلسلہ میں کتب خانوں کے مطبوعہ کٹیاگوں سے خصوصاً مدل سکتی ہے۔ مختلف نسخوں کا پتا گانے کے علاوہ کٹیاگوں سے ان کے متعلق تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ محقق کا ہر نسخہ تک پہنچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن موجودہ سائنسی دور میں ان کی مائیکروفلم، روٹوگراف وغیرہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ نقلیں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ نقل کی صورت میں غلطیوں کا احتمال ہے اس لئے اگر محقق خود یہ کام انجام دے سکتا تو بہتر ہے، ورنہ کسی ایسے شخص کے ذمہ کرے جس کی صلاحیت اور خلوص پر اسے اعتماد ہو۔

نسخوں کے مراتب:

مصر کے ایک ممتاز عالم نے عربی مخطوطات کے مختلف مراتب و صفات اور عمدگی سے بتائے ہیں۔ ان کا اطلاق بڑی حد تک اردو مخطوطات پر بھی ہوتا ہے۔ ان کی رائے میں نسخوں کے مراتب بصورتِ ذیل قائم ہوں گے^۲:

۱۔ سب سے بہتر قابل اشاعت نسخہ ہوتا ہے جس کو مصنف نے خود لکھا ہوا اور یہی اساسی نسخہ ہو گا۔

۲۔ مصنف کے نسخہ میں حذف و اضافہ کی صورت میں یہ معلوم کرنا ضروری ہو گا کہ کتاب کی تصنیف ایک وقت میں ہوئی یا چند مراحل میں طے ہوئی ہے۔ اس طرح ہمیں یقین ہو جائے گا کہ نسخہ زیر بحث مصنف کی کوشش کی آخری شکل ہے۔

۱۔ ڈاکٹر نذیر احمد، مضمون مذکور، ص ۱۵

۲۔ یہ مقالہ ضمیمے کی حیثیت سے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ (دلوی)

۳۔ مصنف کے نسخہ کے بعد وہ نسخہ زیادہ معتبر ہو گا جس کو مصنف نے خود پڑھا ہو یا اس کے سامنے پڑھا گیا ہو اور مصنف کے قلم نے اس کی تصدیق بھی کی ہو۔

۴۔ اس کے بعد وہ نسخہ زیادہ وقیع ہو گا جو مصنف کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہو یا پھر کسی ایسے ہی نسخہ سے معارضہ یا مقابلہ کیا گیا ہو۔

۵۔ پھر وہ نسخہ معتبر ہو گا جو عہد مصنف میں نقل کیا گیا ہو اور علمانے اس کا مطالعہ یا سماعت کی ہو۔

۶۔ پھر وہ نسخہ معتبر ہو گا جو مصنف کے عہد کے بعد نقل کیا گیا ہو اور اس پر علماء کی سماعت کی تصدیق نہ ہو۔

۷۔ ایسے نسخے جو مصنف کے زمانہ حیات کے بعد نقل کئے گئے ہوں، ان میں زمانہ کے لحاظ سے اولیت اور افضلیت ہو گی اور وہ نسخہ زیادہ اہم ہو گا جس کو کسی عالم نے نقل کیا ہو یا کسی عالم کے سامنے اس کی قراءت کی گئی ہو۔ اختلاف کی صورت میں ہم متاخر، صحیح اور منضبط نسخہ کا مقابلہ کر کے دیکھیں گے کہ اگر وہ قدیم ترین نسخہ سے تصحیف و تحریف کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسی کو اختیار کریں گے، یا ایسا نسخہ ہے جو بالکل متاخر ہے مگر خطاطی کا عمدہ نمونہ ہے اور مصنف کے نسخہ سے براہ راست یا اسکے ہم عصر نسخہ سے منقول ہے یا اس کے علاوہ دیگر خصوصیات کا حامل ہے تو یہی مرنج ہو گا۔^۱ مختلف نسخوں کے علاوہ تحقیق و تصحیح متن کے سلسلہ میں چند اور چیزیں بھی مفید و معاون ثابت ہوتی ہیں، مثلاً شعر کے تذکرے، بیاضیں، اس عہد کی تاریخیں، صوفیاء کرام کے ملفوظات، ادیبوں، شاعروں اور صوفیوں کے مکاتیب، لغات و قواعد وغیرہ۔^۲

۱۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، ”تحقیق متن کے اصول“، مترجمہ محمد فضل الرحمن ندوی، فکر و نظر، علی گڑھ، جلد ۲، نمبر ۲، (۱۹۶۱ء)، ص ۸۷، ۸۸

۲۔ ڈاکٹر نذیر احمد، مضمون مذکور، ص ۱۶ تا ۱۸

متن کی تحقیق و صحیح:

تمام ممکن الحصول نسخوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ و موازنہ کر کے محقق چند قبل اعتماد نسخوں کا انتخاب کرے تاکہ ایک صحیح متن تیار کیا جاسکے۔ ہر نسخہ کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ گہرے اور مسلسل مطالعہ سے ان خصوصیات کا پتا لگایا جاسکتا ہے۔ ان خصوصیات کا پتا لگانا اور انھیں سمجھنا تحقیق و صحیح متن کا ایک لازمی جز ہے۔ اصول یہ ہے کہ فیصلہ صادر کرنے سے پہلے تمام قابل اعتماد گواہوں کے بیانات سننا اور مسلسل سننا چاہئے۔^۱

تمام حاصل شدہ نسخوں کا مطالعہ و مقابلہ کر لینے کے بعد ایک نیا اور صحیح نسخہ مرتب ہوگا۔ اس اصول پر صرف مغرب کے فضلا کا عمل نہیں ہے بلکہ مشرق کے علمانے بھی اسے قبول کریا ہے۔ مجتمع علمی عربی (دمشق) نے عرصہ ہوام خطوطات کی اشاعت کے لئے علماء فضلا کی ایک جماعت کو وضع اصول کی دعوت دی تھی۔ اس مجلس نے جو چند اصول وضع کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کتاب کی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ صحیح متن پیش کیا جائے۔ اسلئے ناگزیر ہے کہ اختلافات کی روایات کی طرف پورا پورا دھیان ہو اور وہ عبارت داخل متن ہو جو صحیح تصور کی جائے۔^۲ روایتوں کا اختلاف بہر حال حاشیہ میں بتانا ہوگا۔ دو یادو سے زائد نسخوں کی صورت میں کسی ایک کو بنیاد بناانا ہوگا۔ اگر مصنف کا خود نوشتہ نسخہ قبضہ میں ہے تو وہی بنیاد ہوگا۔ دوسرے نسخوں سے بنیادی نسخہ کا مقابلہ اور اس کی غلطیوں کی تصحیح کرنا ہوگی۔ اگر کسی نسخہ میں کوئی ایسا اضافہ ہے جو معتمد علیہ نسخہ سے ساقط ہے تو یہ اضافہ اصل متن میں شامل ہوگا اور حاشیہ میں اس کا ذکر کر دیا جائے گا۔ یہ صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ مصنف کا اضافہ ثابت ہونے کے ناخ کا۔ ناخ کا اضافہ حاشیہ میں درج ہوگا۔^۳ لیکن کسی ایک مخطوطہ کو خواہ وہ کتنا ہی قدیم اور قابل اعتماد کیوں نہ ہو، پورے طور پر بنیاد بنا لیتا اور اس کے تمام مندرجات کو صحیح تسلیم کر لینا خطرہ سے خالی نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو سہو قلم کا امکان تو بہر حال ہے۔^۴ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مختلف مستند

^۱- S. M. katre, کتاب مذکور، باب ۳، ص ۳۶

^۲- ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، مضمون مذکور، ص ۸۲

^۳- ایضاً، ص ۹۰

مخطوطات میں سے وہ متن قبول کیا جائے جو زبان اور اسلوب بیان کے اعتبار سے مصنف یا شاعر کے عہد اور پھر خود مصنف یا شاعر کی زبان اور اسلوب بیان سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو۔ مثلاً انشا کا ایک شعر ہے:

تصور عرش پر ہے اور سر ہے پاے ساقی پر
غرض کچھ زور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

دوسرے مصرع میں عموماً اور (بجائے 'زور') پڑھا جاتا ہے۔ یہ جانے کے بعد کہ انشا کے عہد میں لفظ 'زور' (عجیب کے معنی میں) استعمال ہوتا تھا، محقق یہ غلطی نہیں کرے گا۔

مصنف کے سہ قلم، کاتب کی دانستہ و نادانستہ اصلاحوں، نقل درنقل کی غلطیوں کے علاوہ مسودہ پر زمانہ کا بھی اثر پڑتا ہے۔ موسم کے اثر سے کاغذ میں نبی آ جاتی ہے۔ بعض اوقات لفظ اثر جاتے ہیں۔ مخطوطوں اور کتابوں کے ازلی دشمن، دیمک اور بعض دوسرے کیڑے حروف کو چاٹ جاتے ہیں۔ اس کمی کو دوسرے مستند نسخوں کی مدد سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اتفاق سے زیر تحقیق کتاب کا ایک ہی نسخہ ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو ان لفظوں کی جگہ نقطے لگادینا چاہئے اور حاشیہ میں اس کی توضیح کر دینا چاہئے۔ قیاساً ان کی جگہ پر کچھ نہ لکھا جائے۔

اگر مصنف نے کسی دوسرے مصنف یا مصنفوں کی عبارتوں کے اقتباسات دئے ہیں یا کسی شاعر یا شاعروں کے اشعار نقل کئے ہیں تو ان کا مقابلہ اصل سے کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی صحت کا یقین ہو جائے۔ حاشیہ میں ان کے مآخذ بتا دینا بھی مناسب ہو گا۔ اگر مصنف نے عبارت کا کچھ حصہ حذف کیا ہے تو وہ بھی بتانا ہو گا۔

متن میں بعض اوقات کسی لفظ یا فقرہ یا جملہ یا پیراگراف یا شعر یا اشعار کا اضافہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اضافے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اساسی نسخہ کے علاوہ کسی اور نسخہ کا، اور دوسرا کسی دوسرے مآخذ سے لیا ہوا ہوتا ہے۔ تیسرا اضافہ وہ ہے جو خود محقق سیاق و سبق کلام کے لحاظ سے کرتا ہے۔ ان اضافوں کے ظاہر کرنے کے لئے اردو میں ابھی تک علامتیں معین نہیں ہیں۔ اسلئے مندرجہ ذیل علامتوں کو راجح کیا جاسکتا ہے۔

> : پہلی دو قسم کے اضافے مکسور قوسین میں رکھے جائیں اور حاشیہ میں ان کی وضاحت کر دی جائے۔

[] : تیسری قسم کا اضافہ مربع قوسین میں ہو۔ حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

اگر متن کے کسی لفظ کی تحقیق ناممکن ہو تو قیاساً اس کی صحیح نہ کی جائے بلکہ اس کے آگے قوسین میں (کذا) لکھ دیا جائے۔ تحقیق متن میں مشکوک الفاظ کی درستی کی جاسکتی ہے لیکن اصلاح نہیں کی جاسکتی۔ محقق کو اس سے بحث نہیں کہ صحیح کیا ہے۔ اسے صرف یہ دیکھنا ہے کہ مصنف یا شاعر کے عہد کے مطابق کیا ہونا چاہئے۔

متن تیار کرتے وقت املا کا خیال رکھنا ضروری ہے، یعنی املا وہی ہو گا جو اس عہد میں راجح تھا۔ مثلاً عہدِ سودا و میر میں بہت کو‘بہوت’ یادوں کو‘دونوں’ لکھتے تھے۔ اگر میر یا سودا یا اس عہد کے کسی دوسرے شاعر کے کسی شعر میں‘بہت’ یا‘دونوں’ لکھا جائے تو یہ متن کی صحیح نہیں بلکہ تغليط ہو گی۔ میرزا فرحت اللہ بیگ نے‘دیوانِ یقین’ کو مرتب کیا جو انجمانِ ترقی اردو، ہند کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں انہوں نے یقین کے عہد کے طریقہ املا کی پابندی کرنے کے بد لے بالقصد موجودہ طرزِ املا کی پابندی کی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دیوانِ مذکور موجودہ دور کی کتاب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن رسم تحریر میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً قدیم زمانہ میں ٹ، ڈ وغیرہ پر تین یا چار نقطے لگائے جاتے تھے۔ اب تحقیق شدہ متن میں ان پر نقطے لگانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح قدیم زمانہ میں اکثر دو لفظ ملا کر لکھتے تھے، جیسے پلپل (پل پل)، آنکھوں میں (آنکھوں میں) وغیرہ۔ انھیں موجودہ طریقہ کے مطابق الگ الگ لکھنا چاہئے۔ قدیم اور خصوصاً متروک الفاظ پر اعراب لگا دینا چاہئے تاکہ انکے تلفظ میں غلطی نہ ہو۔

پرانی نشری کتابیں موجودہ طریقہ پر ابواب پر تقسیم نہیں ہوتی تھیں بلکہ فصول پر منقسم ہوتی تھیں اور لکھنے کا انداز یہ تھا کہ عموماً بسم اللہ سے شروع ہو کر‘تمت’ ہی پر قلم رکتا تھا۔ فصل کا لفظ، اور اگر اس کا عنوان ہوا تو وہ سرخ روشنائی سے متن کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔ چوں کہ کتاب

کو جدید طرز پر مرتب کیا جا رہا ہے اسلئے اسے ابواب پر تقسیم کرنا ہوگا۔ لیکن مصنف کی ترتیب و تقسیم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ابواب کے مسلسل نمبر ہوں گے۔ ہر باب کی ابتدائی صفحہ سے ہوگی۔ ابواب کا عنوان جلی قلم سے صفحہ کے وسط میں لکھا جائے گا۔ اگر مصنف نے عنوان قائم کیا ہے تو اسے بدلا نہیں جائے گا، اور اگر اس نے عنوان قائم نہیں کیا ہے تو محقق کو عنوان قائم کرنا ہوگا۔ محقق کا قائم کیا ہوا عنوان مربع قوسمیں [] میں ہوگا۔ اسے ذیلی سرخیاں بھی قائم کرنا ہوں گی۔ یہ سرخیاں متن کے قلم سے سطر کے ساتھ پیر اگراف کی شکل میں لکھی جائیں گی اور باب کے عنوان کی طرح مربع قوسمیں میں ہوں گی۔ ہر باب کی عبارت کو پیر اگرافوں میں تقسیم کرنا ہوگا۔ اگر زیر تحقیق کتاب مختلف اصناف پر مشتمل شعری مجموعہ ہے تو ہر صنف کی ابتدائی صفحہ سے ہوگی اور اس کی سرخی جلی قلم سے صفحہ کے وسط میں لکھی جائے گی۔ خود نظم کی سرخی اس سے خفی تر قلم سے تحریر ہوگی۔ مسلسل نظم (مثلاً مثنوی، قصیدہ وغیرہ) کی صورت میں اشعار کے اعداد پانچ پانچ یا دس دس کے وقفہ سے بتائے جائیں۔

اختلاف نسخ میں ہر اختلاف کا بتانا ضروری نہیں بلکہ صرف اہم اختلافات بتائے جائیں۔ اختلافات بتانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ متن ہی کے صفحہ پر حاشیہ میں بتائے جائیں، اور دوسرا یہ کہ کتاب کے آخر میں مسلسل نمبروں کے ساتھ درج کئے جائیں۔ دوسرے طریقہ میں طباعت میں سہولت ہوتی ہے، لیکن پہلے طریقہ سے مطالعہ میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی لئے نوماً اسے ترجیح دی جاتی ہے۔

مقدمہ یا تعارف:

متن پیش کرنے سے پہلے محقق، تصنیف اور اس کے مصنف کے متعلق ضروری اطلاعات بہم پہنچائے۔ ایسی عبارت یا تحریر کا عنوان عموماً 'مقدمہ' ہوتا ہے۔ اسے 'تعارف' کا عنوان بھی دیا جاتا ہے۔ مقدمہ یا تعارف میں سب سے پہلے معلوم نسخوں کی تعداد بتائی جائے اور ان کے بارے میں مجمل اطلاع دی جائے۔ پھر ان نسخوں کا مفصل ذکر کیا جائے جن سے موجودہ متن تیار کرنے میں مدد لی گئی ہے۔ اس کے بعد ان نسخوں کی تفصیل دی جائے جن کا

ایک دوسرے سے موازنہ کیا گیا ہے۔ ایک نسخہ کی دوسرے نسخے پر برتری کے وجہ اور بعض نسخوں کو خارج کرنے کے اسباب بتانا بھی ضروری ہے۔ ہر استعمال شدہ نسخہ کے اور اق کی تعداد، سطحیں فی صفحہ (یا اشعار کی تعداد فی صفحہ)، کتب خانہ یا مالک نسخہ کا نام اور پتا، اگر نسخہ مختلف لوگوں کے قبضہ میں رہا ہے تو ان سب کے نام اور پتے، کاتب کا نام، کتابت کا معیار، رسم الخط، روشنائی اور کاغذ کی نوعیت، تاریخ کتابت، ابتداء اور خاتمه کی عبارت کا بتانا ضروری ہے۔ کاتب کے ترقیہ کی عبارت نقل کر دینے سے قاری کو نسخہ کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اگر نسخہ پر کسی رئیس یا مصنف یا شاعر کے سر پرست کا نام ہے تو وہ بھی بتایا جائے۔ اگر زیر بحث کتاب چھپ چکی ہے تو اس کی خوبیوں اور خامیوں کی نشان دہی اور موجودہ اڈیشن تیار کرنے کی وجہ یا وجہ بتانا ضروری ہے۔

حوالہ میں مخطوطات کا پورا نام لکھنا ضروری نہیں بلکہ اس کے بد لے ان کے مخففات استعمال کرنا بہتر ہوگا۔ استعمال سے پہلے ان مخففات کا، کسی مناسب موقع پر بتادینا ضروری ہے۔

نسخوں کا ذکر کرنے کے بعد محقق اپنے طریق کارکی وضاحت کرے اور اپنا اصول بتائے جس کی بنیاد پر اس نے متن تیار کیا ہے۔

اس کے بعد مصنف کے حالاتِ زندگی، تصنیفات وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ لیکن اگر زیر تحقیق کتاب کسی معلوم و مشہور مصنف کی ہے تو پھر اس کی ضرورت نہیں۔ سب سے آخری چیز تصحیح کردہ متن پر، حسب موضوع، علمی، ادبی، فنی نقطہ نگاہ سے تبصرہ ہوگا۔

حوالی و تعلیقات:

صحیح متن پیش کرنا ایک اہم اور مفید علمی خدمت ہے۔ لیکن اس کی اہمیت و افادیت حوالی و تعلیقات کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ محققین اس کی طرف خصوصاً

۱۔ S. M. Katre، کتاب مذکور، باب ۸، ص ۷۸

۲۔ S. M. Katre، کتاب مذکور، باب ۸، ص ۸۳

توجه کرتے ہیں۔ مگر کتاب کو غیر ضروری حواشی و تعلیقات سے بوجھل نہ بنایا جائے۔ حواشی و تعلیقات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) الف: اختلافات نئے اور وہ باتیں جن کا مقصد متن کی صحت اور تعین ہے، مثلاً تلفظ، تذکیر و تانیث وغیرہ کا اختلاف۔ (ب) مصنف کی لکھی ہوئی مختصر تعلیقات جو بہت کم ہوتی ہیں۔ (۲) [الف] جملوں اور عبارتوں کی تشریح، شخصیتوں کا تذکرہ، مقامات کا تعین، غیر معروف تلمیحات کا پس منظر وغیرہ، [ب] مصنف کی لکھی ہوئی طویل تعلیقات، [ج] غیر معروف اور متروک الفاظ کے معنی۔

پہلی قسم کے حواشی متن کے ساتھ، یعنی اسی صفحہ پر نچے دئے جائیں تو بہتر ہے۔ فصل قائم کرنے کے لئے متن اور حواشی کے پیچ میں ایک لکیر کھینچ دی جائے۔ ان حواشی کو کتاب کے آخر میں بھی مسلسل نمبروں کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے طباعت میں سہولت ہوتی ہے، لیکن پہلے طریقہ سے مطالعہ میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی لئے عموماً پہلے طریقہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ دوسری قسم کے حواشی، یعنی تعلیقات و تشریحات کو متن کے خاتمه پر رکھنا بہتر ہے تاکہ قاری کی توجہ متن سے ہٹنے نہ پائے۔ بعض محققین ان کو بھی متن ہی کے صفحہ پر رکھتے ہیں۔ اس طریقہ کو خوشگوار نہیں کہا جاسکتا۔ تعلیقات یا تشریحات لکھتے وقت اختصار اور جامعیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ متروک و غیر معروف الفاظ کے معنی فرہنگ کے عنوان کے تحت تعلیقات سے الگ دئے جائیں۔

کتابیات اور اشاریہ:

جس طرح تحقیقی مقالہ کے خاتمه پر کتابیات یا فہرست مآخذ دی جاتی ہے اسی طرح مرتبہ کتاب کے آخر میں بھی ان کتابوں، رسالوں وغیرہ کی جو پیش نظر کتاب کے متن، مقدمہ اور تشریحات کے سلسلہ میں استعمال ہوئی ہیں فہرست دینا چاہئے۔ اس فہرست کے تیار کرنے کا طریقہ وہی ہوگا جو مقالہ کی کتابیات کے تیار کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی دینا ہوگا۔ یہاں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو مقالہ کے اشاریہ میں برداشتات ہے۔

عکس:

متن کے کم سے کم ایک صفحہ کا عکس کتاب میں ضرور شامل ہونا چاہئے۔ اگر مصنف کے ہاتھ کی تحریر مل سکتی ہو تو اسے ترجیح دی جائے گی۔



كتابات

(الف) انگریزی

- 1 Adler, Mortimer J., How to read a Book, New York, Simon and Schuster, 1940
- 2 Almack, John C., Research and Thesis Writing, Boston, Hughton Mifflin Co., 1930
- 3 Best, John w., Research in Education, Sixth Printing, Englewood Cliffs, N. J., Prentice-Hall, Inc., 1961.
- 4 Bowen, Catherine Drinker, Francis Bacon, London, Hamis Hamilton, 1963.
- 5 Cole, Arthur H., and Bigelow, Karl W., A Manual of Thesis-Writing, eight Printing, New York, John Wiley & Sons, Inc., 1956.
- 6 Darwin, Francis (ed), Life and Letters of Charles darwin, London, JohnMurray, 1887.
- 7 Dewey, John, How We Think, Boston, D.C.Heath & Co., 1933.
- 8 Dewey, John. The Quest for Certainty, London, George Allen and Urwin Ltd., 1930.
- 9 Ganter, Elliot S. M. and Cordasco, Francesco, Research and Report Writing, Eight Printing, new York, Barnes and Noble, Inc., 1960.
- 10 Good, Carter V. and Seates, Douglas E., Methods of Research. New York, Appleton-Century-Crafts, Inc., 1954.
- 11 Hall, F.W., A Companion to Classical Texts, Oxford, Clarendon Press, 1913.

- 12 Katre, S. M., Introduction to Indian textual Criticism, Bombay, Karnatak Publishing House, 1941.
- 13 Kelley, Truman Lee, Scientific Method, New York, The Macmillan Co., 1932.
- 14 Lucas, F. L., Style, London, Pan Books Ltd, 1964.
- 15 Murry, J. Middleton, The Problem of Style, London, Oxford University Press, 1961.
- 16 Pearson, Karl, the Grammar of Science, London, J. M. Dent & Sons Ltd., 1943.
- 17 University of Oxford, members of the Faculty of English Language and Literature, Notes on the Presentation of Theses on Literary Subjects, Second Edition, London, Rupat Hart-Davis, 1958.
- 18 Whitney, Frederick Lamson, The Elements of Research, First Indian Edition, Bombay, Asia Publishing House, 1961.
- 19 Williams, Cecil B. and Stevenson, Allan H. A Research Manual First Edition, New York, Harper and Brothers, 1940.
- 20 A New English Dictionary on Historical Principles, Vol. VIII, Oxford, Clarendon Press, 1910.
- 21 Encyclopaedia Britannica, Vol. XXII, Chicago, William Benton, 1960.
- 22 Webster's New International Dictionary of the English Language, Second Edition, Springfield, Mass., U.S.A., G. & C. Merriam Co., 1948.

(ب) اردو

- ۲۳ حالی، خواجہ الطاف حسین، حیاتِ جاوید، دہلی، انجمان ترقی اردو، ہند، ۱۹۳۹ء
- ۲۴ حالی، خواجہ الطاف حسین، حیاتِ سعدی، لاہور، شیخ مبارک علی، ۱۹۲۷ء
- ۲۵ ڈار، بشیر احمد، حکماے قدیم کا فلسفہ اخلاق، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۸ء
- ۲۶ سلیمان ندوی، (مولانا) سید، حیاتِ شبیلی، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۳۳ء
- ۲۷ شبیلی، (مولانا)، شعر لجم، طبع سوم، جلد چہارم، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۲۳ء
- ۲۸ مالک رام و مختار الدین احمد، مرتبہ، نذر عرشی، نئی دہلی، مجلس نذر عرشی، ۱۹۶۵ء
- ۲۹ ارمغان علمی

(ج) رسائل

- ۳۰ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، جلد ۲۳، (۱۹۳۶-۳۷ء)
- ۳۱ فکر و نظر، علی گڑھ، جلد ۲، (۱۹۶۱ء)
- ۳۲ نقوش، لاہور، نمبر ۹، (۱۹۶۳ء)
- ۳۳ نوائے ادب، جلد ۲۱، شمارہ ۳

اشاریہ

(الف) اسماء و اشخاص

۲۷	بَولِ بیکن، فرانس	الف
۱۹		آثار الصنادید
	پ	آسفورڈ کشنری
۷۱	پُوست گیٹ	آسفورڈ یونیورسٹی (پروفیسر)
۲۰	پیرکن	آلک
	ث	آیوا
۵۳	ٹالشائی	اڈیسن، تھامس
		اردو (رسالہ) (حاشیہ)
	ج	افلاطون
۵۳	جیمز، ولیم	اناطول فرانس
		انشا
۵۶	حالی، (مولانا) خواجہ الطاف حسین	اورینٹل کالج میگزین (حاشیہ)
	ح	
	د	ب
۸۱	دیوان یقین	بائرن
	ڈ	بالزاک
۱۹	ڈارون، چارلز	براون، اڈورڈ
۳۱-۲۹	ڈیوی، میلول	برہان (حاشیہ)
		بست

			R
۲۱-۱۷-۱۵	کرافورڈ کون فیو شس کیلی (حاشیہ) کیونڈش	۳۲-۲۶-۲۱، مصنفین ۳۹ ۵۳ ۲۳	ریسرچ اینڈ پورٹ رائٹنگ، مصنفین ریسرچ مینول، مصنفین روس رتنکے
	G		S
۵۳	گبن	۲۳	سعید نفیسی
۵۷	گلتاں	۲۳	سلیمان، سرشاہ
۲۳	گلیلیو		سلیمان ندوی، (مولانا) سید
	L		۳۸-۶۲-۵۳-۳۸-۲۳
۳۶	لند	۸۱	سودا و میر، عہد
۵۵	لوکس، پروفیسر	۲۳	سید احمد خان، سر
	M		ش
۲۲	محمود خاں شیرانی، حافظ	۱۷	شکا گو یونیورسٹی
۵۶	مرے، ملٹش	۵۵-۵۳-۲۳	شبی (مولانا)
۶۹	معارف (حاشیہ)		ع
۱۸	میتھڈز آف ریسرچ، مصنفین	۵۵-۵۳	عبد الحق (مولوی)
۵۳	میکالے	۲۳	عبد القادر، شیخ
۳۷	مینول آف تھیس رائٹنگ، مصنفین	۲۵	عرشی، مولانا امتیاز علی خاں
	N		F
۷۸	نذر احمد، ڈاکٹر	۸۱	فرحت اللہ بیگ، میرزا

نواے ادب (حاشیہ)

۳۳

و

۱۶

وبستر (لغت)

۳۸-۲۱

وھٹنی

و

۱۷

چھڑز

۲۳

ہر شیل

۲۵

ہیلین ڈربی شاہر

(ب) موضوعات

الف		ب	
ال	ف	پ	ت
اسلوب	ذیوی ذیمل ستم (طریقہ)	۷۲	پڑھنے کی رفتار
اکٹاف (اکٹافات)	۳۲-۳۱-۲۹	۲۱-۲۰	پڑھنے کا فن
الفاظ (لفظوں)	س	۷۳	تحقیق
ایجاز	سائنس	۶۲	اہمیت
بنیادی ذرائع	سائنسی طریقہ کار	۳۱	تعريف
ب	سائنسی نقطہ نگاہ		خصوصیات
بنیادی ذرائع	سوالنامہ، تعلیمی		مقصد
پڑھنے کی رفتار	فٹنوت	۵۸	تحقیق، تعلیمی
پڑھنے کا فن	م	۵۷	تحقیقی مقالہ
پڑھنے کی رفتار	متن، تصحیح و ترتیب		تخیل
پڑھنے کا فن	محقق	۱۵	
تحقیق	مفکرانہ خیالات	۲۵-۱۹-۱۵	
تحقیق	منظوم تخیل	۲۰-۱۶-۱۵-۱۷	
تحقیق	منظوم دماغ	۲۲-۱۷-۳	
تحقیق، تعلیمی	و	۱۹	
تحقیقی مقالہ	واضح نشر	۱۹	
تخیل	وضاحت	۷۳-۲۰	
		۲۳	

ضمیمہ

ڈاکٹر صلاح الدین المتجدد کا متن تنقید پر فاضلانہ عربی مقالہ ایک نایاب علمی دستاویز ہے۔ اس کا اردو ترجمہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عربی کے متاز عالم ڈاکٹر فضل الرحمن ندوی نے ڈاکٹر صلاح الدین المتجدد کے تعارف کے ساتھ (تحقیق، جام شورو: شمارہ: ۱۷، ۲۰۰۹ء میں) شائع کیا۔ یہ ترجمہ تعارف کے بغیر، فکر و نظر علی گڑھ میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس مقالے کے کئی حوالے زیر نظر کتاب میں بھی آئے ہیں۔ اس مضمون کی افادیت 'مباریات تحقیق' کے حوالے سے بھی مسلم ہے۔ لہذا اسے اساتذہ، طلباء اور عام محققین کے استفادے کے خیال سے زیر نظر کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔

عبدالستار دلوی

عربی : ڈاکٹر صلاح الدین المخجّد

ترجمہ : ڈاکٹر فضل الرحمن ندوی

تحقیقِ متن کے اصول

(ڈاکٹر صلاح الدین المخجّد کا مصر کے متاز فضلاء میں شمار ہے۔ انہی کی کوششوں سے اہن عساکر (م ۱۷۵ھ) کی "تاریخ مدینۃ دمشق"، شمس الدین ذہبی (م ۷۲۸ھ) کی "سیر اعلام النبلاء"، قاضی محمود عدوی (م ۱۰۳۲ھ) کی "الزیارات بدمشق"، وغیرہ تحقیق و تصحیح ہو کر شائع ہوئی ہیں۔ مصر و شام کے علمی حلقوں میں ان کی کافی قدر و منزلت ہے۔ چنان چہ "جمع اللغة العربية، قاهره اور جمع علیی عربی، دمشق" کے بڑے باوقار ارکان کی صفت اولین میں ان کو جگہ ملی ہے۔ "مجلة معهد الخطوطات العربية" قاهرہ کی ترتیب کی اہم ذمہ داری بھی آپ ہی کے پرد ہے۔ یہ رسالہ علمی خطوط پر عربی مخطوطات کی نشر و اشاعت سے متعلق و قیع مضامین شائع کرتا رہتا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ رمضان ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی مجلہ کی جلد اول جزو دوم، ربیع الاول ۱۳۱۵ھ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ مضمون کی فنی حیثیت کے پیش نظر ترجمہ میں الفاظ کی مطابقت کا پورا پورا لحاظ ہے۔ اس لئے وہ روانی جو آزاد ترجمہ کی ہوتی ہے شاید نہ ملے۔ (ندوی)

گز شتر بیرونی میں عربوں نے قدیم علمی ورثہ کی نشر و اشاعت اور تحقیق و تدوین کی طرف اچھی خاصی توجہ دی ہے۔ مستشرقین کو اس سلسلہ میں اولیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان کی عربی زبان سے واقفیت اور اس ضمن کی دوسری معلومات کم تھیں مگر وہ ایک صدی سے علمی اور

تحقیقی معیار کے ساتھ اس قدیم اشاعت کی نشر و اشاعت میں مشغول تھے۔

عربوں نے اس علمی تفییش و تحقیق میں مستشرقین کی اقتدا کی ہے۔ بعض اس اقتدا میں نہایت کامیاب ثابت ہوئے اور جونا کام رہے انہوں نے اپنی ناکامی کو بےاتفاقی کے پرداہ خفا میں رکھنا چاہا اور بسا اوقات مستشرقین کے اس کارنامے کا مذاق اڑانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ تحریر کا یہ پہلو علمی انگاز اور عصبیت کی غلط روی کی صورت میں رونما ہوا تجھے یہ ہوا کہ ہر ناشر خود ساختہ اصولوں کے مطابق نشر و اشاعت کا کام انجام دینے لگا اور اس زعم میں گرفتار رہا کہ اس نے کچھ اچھے اصول وضع کیے ہیں۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم مستشرقین کی ان خدمات کی اولیت تسلیم کریں جو وہ عربی علمی اشاعت کی تحقیق و تفییش کے سلسلہ میں پچھلی ایک صدی سے انجام دیتے رہے ہیں۔ انہی کا کمال علمی ذوق تھا جس نے نادر اور اہم مخطوطات کو زیور طبع سے آراستہ کیا اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی، یہ نہ ہوتے تو شاید ہم ان متون (Texts) سے آشنا بھی نہ ہوتے جو آج ہماری دسترس میں ہیں۔

مستشرقین نے ان تمام اصولوں کو بے طریق احسن عربی متن کی اشاعت کے سلسلہ میں برتا ہے جو عالمی ادبی (Classics) یونانی اور لاطینی کی اشاعت کے بارے میں یورپ کرتارہا ہے۔ یہ اصول و قواعد دقتِ نظر اور امانت کا رکے ضامن ہیں۔ ان میں کوشش یہ ہوئی ہے کہ اصل متن شائع شدہ صورت میں صحیح طور پر پیش کیا جائے۔ اس دور میں ان کا پورا پورا الحاظ مجلس مستشرقین، جرمنی نے اپنی اسلامی نشریات (Bibliotheca Islamica) میں کیا ہے جو مشہور مستشرق ہریت کی زیر نگرانی شائع ہوتی رہی ہیں۔ انہی کی اتباع فرانس کے ادارہ غیوم بودہ (Association Guillaum Bude) نے بھی کی ہے۔ اس سے قبل تمام مستشرقین ان اصولوں کی پیروی کرتے رہے ہیں۔

عرب ناشرین متن کو مستشرقین کے علمی طریقہ کی اتباع لازم تھی ورنہ کم سے کم ممتاز اصولوں کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن بہت کم لوگوں نے ایسا کیا ہے۔

اس وقت دنیا کے عرب میں ایک مہتمم بالشان علمی بیداری پائی جاتی ہے اور ایک بڑی

تعداد قدیم متن کی اشاعت کی طرف مائل ہے۔ ناشرین نے بھی مختلف طریقے اختیار کر رکھے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اب یہ ناگزیر ہے کہ اس کے کچھ آئین و اصول وضع کے جائیں جن کی پیروی محققین کے لئے اشاعت متن کے سلسلہ میں لازم قرار دے دی جائے تاکہ یکسانیت اور ہم آہنگی کا فقدان نہ ہو۔

ان اصولوں کے پیش کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ اشاعت کے طریقوں میں یک جہتی ہو اور لوگوں کو اس سے واقفیت ہو جائے۔ جرم مُستشرقین اور ادارہ غیوم بودہ کے طریقہ کار نیز دیگر پیش رو جنہوں نے روایات کے ضبط و اہتمام کے سلسلہ میں قواعد وضع کیے ہیں اور ہم نے بھی جو کچھ اس سلسلہ میں اب تک لکھا ہے یہاں ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان سب کے علاوہ ہمارے پیش نظر وہ نتائج بھی ہیں جو قدیم مخطوطات کی اشاعت کے سلسلہ میں حاصل ہوئے ہیں۔ ہم محققین کو ان کی پیروی اور تنقید و تبصرہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اس طرح شاید وحدت کار کا کوئی مثالی طریقہ ہمیں حاصل ہو سکے۔

ماضی میں نشر و اشاعت کے وضع قوانین کی چند کوششیں

اصل متن کو شائع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض علمی ادارے، مجلسیں اور علماء مجبور ہوئے کہ مخطوطات کی اشاعت کے لئے اصول و ضوابط مقرر کریں۔ ذیل میں ان کی اولیت اور افضلیت کا جائزہ پیش ہے۔

علمی اداروں میں مجمع علمی عربی، دمشق نے اس کی طرف سب سے پہلے توجہ کی ہے۔ ”تاریخ مدینۃ دمشق“، جیسی اہم اور اسی جلد وں پر مشتمل کتاب کی اشاعت کا خیال پیدا ہوتے ہی اس نے علماء و فضلاء کی ایک جماعت کو وضع اصول کی دعوت دی تاکہ اس عظیم تاریخ کی اشاعت میں مدد و معاون ہوں۔ ان اركان میں ہم بھی شامل تھے۔ اس مجلس نے جو مختصر اصول وضع کیے تھے۔ ان کے بنیادی خطوط یہ ہیں:

الغاية من تحقيق الكتاب جو تقديم نص صحيح لذلك يجب ان
يعنى باختلاف الروايات و ان ثبت ما صح منها

کتاب کی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ صحیح متن پیش کیا جائے۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ اختلافِ روایات کی طرف پورا پورا دھیان ہو اور وہ عبارت داخل متن ہو جو صحیح تصور کی جائے۔

وَإِن يوجز في التعليق كيلا ينقل النص بتعليقات طوال
حواشي مختصر ہوں تاکہ متن طول طویل تعلیقات سے بوجھل نہ ہو۔
وأن تضبط الأعلام، وتفسر اللفاظ الغامضة، ويصرف النظر عن
تخریج الأحادیث،
ناموں کا تلفظ واضح کیا جائے، مشکل الفاظ کی توضیح و تشریح ہو۔ احادیث کی تخریج سے
صرف نظر کیا جائے۔

و ان یسمح بوضع النقطة والنقطتين ز الفاصلة و اشارات
الاستفهام والتعجب، لتوضیح النص
اس کی اجازت ہو کہ ایک نقطہ یاد و نقطے لگا کر، فاصلہ دے کر، سوالیہ اور تعجب کے نشان
بڑھا کر اصل متن کی وضاحت کر دی جائے۔

وأن ثبت الآيات القرانية بين قوسين مذهرين و أن ترقم سطور
النص

قرآن کی آیتیں بیل دار قوسین کے درمیان ہوں۔ متن کی سطروں کا شمار بھی درج ہو۔

ایسے سرکاری ادارے جنہوں نے اس کام کے لئے اصول متعین کیے ان میں قابل ذکر وہ ادارہ ہے جہاں ان سینا کی کتاب ”الشفاء“، طبع و تحقیق ہوئی ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم مذکور نے طباعت سے متعلق لکھا ہے کہ ادارہ نے ”الشفاء“ کے تمام نسخ حتی الوع مہیا کیے۔ اس عبارت کو قابل ترجیح قرار دیا ہے جو ”مؤلف کے متن سے اقرب معلوم ہوئی اور صحیح طور پر معنی ادا کرتی تھی۔ اس نے اختلافِ قرأت و روایت کا ذکر و تعین بھی کیا اور اس کو مرنج قرار دیا۔ جو ادارہ کی نظر میں درستی معنی و صحت عبارت کا ضامن اور ان سینا کے الفاظ و تعبیرات کا حامل تھا۔ وہ

صورت قابل ترجیح قرار پائی جو مؤلف کی دیگر تصانیف کی تائید سے حاصل ہوئی۔ ”ادارہ نے حاشیہ میں اختلافِ قراءت و روایت، ضروری لغوی تحریکات درج کی ہیں تاکہ ”حاشیہ“ متن اور اختلافِ روایات غیر ضروری اضافوں سے بوجھل نہ ہو۔ ادارہ نے ضرورت کے لحاظ سے طباعت کے رموز کا استعمال بھی کیا ہے کیونکہ عصری معیارِ طباعت کی روح کا تقاضا بھی تھا۔“
مجمع مشق اور ادارہ تحقیق ”الثقافۃ“ اصولوں میں قرب و مثالثت ہے۔

طباعت و اشاعت کے اصول و قواعد کے وضع کرنے میں ڈاکٹر محمد مندور اور استاد عبدالسلام ہارون نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اول الذکر نے اپنے دو مضامین میں جو مجلہ ”الثقافة“ میں شائع ہوئے تھے۔ مختصرًا تمام اصول و قواعد سے بحث کی ہے، نیز ان مماثلی کی کتاب ”قواوین الدواعین“ پر بھرپور نقد و تبصرہ بھی ہے۔ دوسرے بزرگ نے ایک کتابچہ ”متن کی تحقیق و اشاعت“ نام کا تصنیف کیا تھا۔ یہ ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو موضوع نے دارالعلوم کے طلبہ کے سامنے پیش کی تھیں۔ دیگر علوم و معارف کے ساتھ کچھ اصول و قوانین کی تفصیل بھی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ عربی تہذیب و ثقافت موجودہ نسل تک کس طرح پہنچی ہے۔ ”کاغذ سازی کی صورت حال کیا تھی اور کتابت و حروف کس طرح ترقی پذیر ہوئے ہیں۔“ ان موضوعات پر گزشتہ چند سالوں میں نہایت گہرے اور پراز معلومات مباحثہ ہمارے سامنے آئے ہیں مگر افسوس کہ مصنف نے ان سے استفادہ نہیں کیا ہے۔ بعد ازاں ”متن“ اس کی ”تحقیق“ اور ”تصحیف و تحریف“ نیز صحیح متن پیش کرنے اور اس سلسلہ کی دیگر عصری ضروریات کے اصول سے بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ ضمناً ایسے امور بھی زیر بحث آئے ہیں جو ایک مبتدی ناشر کو پیش آتے ہیں۔ مصنف نے دوسری زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی طرف رجوع نہیں کیا ہے ورنہ یہ کتاب جامع اور مکمل ہوتی۔ ”متن کی تحقیق“ اور ”تحقیق متن“ کے ممذ و معاون علوم و فنون“ جیسے علوم الخطوط، علم المصادر وغیرہ میں خلط بحث کر دیا ہے۔ یہ دونوں علوم ایک طویل مدت تک شامل درس ہوتے ہیں۔ اس لئے چند صفحات میں ان کا احاطہ کسی طرح ممکن نہیں۔

ہم یہاں ابتدائے تدوین، علم الخط، علم المصادر یا ناخنوں کی اصطلاحات یا عصری

مصطلاحات سے بحث نہیں کر رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کا علم فائدہ سے خالی نہیں لیکن یہ مسلم ہے کہ ان کا علم ناشروں کو پہلے سے ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ہم اپنی گفتگو کو ان علمی اصول و ضوابط تک محدود رکھیں گے جو محقق کے لئے متن کی تحقیق و تخریج میں مدد و گارثابت ہوں۔

نسخوں کی دستیابی اور ترتیب (الف) دستیابی:

۱۔ جب کسی قدیم مخطوطے کی تحقیق مطلوب ہو تو سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنی کوششوں کی حد تک ان تمام نسخوں کو دریافت کریں جو دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں دستیاب ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ مقصد کسی حد تک برولمن GAL کی اصل کتاب اور اس کے ذیل کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس ضمن کی تمام معلومات کو محیط نہیں ہو سکتی اس لئے محتاط روشن تو یہ ہے کہ دیگر کتاب خانوں کے مخطوطات کی فہرست کی طرف بھی رجوع کیا جائے جو برولمن کی دسیز سے باہر تھیں۔ یا اس کے شائع ہونے کے بعد منصہ شہود پر آئی ہیں۔

۳۔ جب نسخوں کے وجود کا پتہ چل جائے تو فہرستوں کے ذریعہ ان کا ابتدائی علم ضرور حاصل کرایا جائے۔ وہ نئے منتخب کئے جائیں جن کی سب سے زیادہ اہمیت ہو۔ ان کی عکسی تصویریں حاصل کی جائیں تاکہ متن کی صحیح شکل سامنے ہو اور تصحیف و تحریف کے مزید امکانات نہ پیدا ہوں۔

۴۔ اگر نئے ایسے کتاب خانوں میں ہوں جن کی فہرستیں موجود نہ ہوں تو ان کی تصویریں حاصل کی جائیں پھر غارمطالعہ ہو۔

ب۔ نسخوں کی ترتیب

نسخوں کے مرتب ب صورتِ ذیل قائم ہوں گے۔

۱۔ سب سے بہتر قابل اشاعت نئے وہ ہوتا ہے جس کو مصنف نے خود لکھا ہوا اور یہی اساسی

نسخہ ہوگا۔

- ۲- مصنف کے نسخہ میں حذف و اضافہ کی صورت میں یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ کتاب کی تصنیف ایک وقت میں ہوئی ہے یا چند مراحل میں طے ہوئی ہے۔ اس طرح ہمیں یقین ہو جائے گا کہ نسخہ زیر بحث مصنف کی کوشش کی آخری شکل ہے۔
- ۳- مصنف کے نسخہ کے بعد وہ نسخہ زیادہ معتبر ہوگا جس کو مصنف نے خود پڑھا ہو یا اس کے سامنے پڑھا گیا ہوا اور مصنف کے قلم نے اس کی تصدیق بھی کی ہو۔
- ۴- اس کے بعد وہ زیادہ وقیع ہوگا جو مصنف کے نسخے سے نقل کیا گیا ہو یا پھر ایسے ہی نسخے سے ”معارضہ“ یا مقابلہ کیا گیا ہو۔
- ۵- پھر وہ نسخہ معتبر ہوگا جو عہد مصنف میں نقل کیا گیا ہوا اور اس پر علماء نے اس کا مطالعہ یا اس کی سماحت کی ہو۔
- ۶- پھر وہ نسخہ معتبر ہوگا جو مصنف کے عہد کے بعد نقل کیا گیا ہوا اور اس پر علماء کی سماحت کی تصدیق نہ ہو۔
- ۷- ایسے نسخے جو مصنف کے زمانہ حیات کے بعد نقل کیے گئے ہوں ان میں زمانہ کے لحاظ سے اولیت اور افضلیت ہوگی اور وہ نسخہ زیادہ اہم ہوگا جس کو کسی عالم نے نقل کیا ہو یا کسی عالم کے سامنے اس کی قرأت کی گئی ہو۔
- ۸- اختلاف کی صورت میں ہم متاخر، صحیح اور منضبط نسخہ کا مقابلہ کر کے دیکھیں گے کہ اگر وہ قدیم تر نسخہ سے تصحیف و تحریف کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسی کو اختیار کریں گے۔ یا ایسا نسخہ ہے جو بالکل متاخر ہے مگر خطاطی کا عمدہ نمونہ ہے اور مصنف کے نسخے سے براہ راست یا اس کے ہم عصر نسخے سے منقول ہے یا اس کے علاوہ دیگر خصوصیات کا حامل ہے تو یہی مرنج ہوگا۔ اگر مصنف کا نسخہ دستیاب نہ ہو تو ہماری کوشش ہمیشہ یہ ہوئی چاہئے کہ نسخہ تحریف و تصحیف سے پاک، صحیح اور مصنف کے نسخے سے قریب تر ہو۔
- ۹- مختلف نسخوں کی دستیابی کی شکل میں یہ صحیح نہیں کہ صرف ایک نسخہ کی بنیاد پر کتاب شائع کر دی جائے۔ یہ قید اس لئے ہے کہ کتاب شائع ہونے کے بعد علمی تحقیق و انضباط کی

متحاج نہ رہے۔

(ج) نسخوں کی حیثیات:

۱۔ بعض کتابیں متداول زیادہ ہوتی ہیں اس لئے ان کے نسخ بھی زیادہ ہو گئے ایسی صورت میں تین مختلف یا کم و بیش نسخ غلطیوں میں، حواشی میں، کمی یا زیادتی میں ایک دوسرے سے کافی حد تک مشابہ ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک ہی اساسی نسخے سے نقل کیے گئے ہوں۔

ایسی صورت میں یکسانیت رکھنے والے نسخ مختلف قسموں (Group) میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور ہر ایک کے لئے کوئی حرف مقرر کر دیا جائے گا (جیسے قسم الف، قسم ب، قسم ج) اور ہر قسم میں سے ایک خاص نسخہ اختلافات کو واضح کرنے کے لئے منتخب کر لیا جائے گا۔

متن کی تحقیق - تحقیق کی غایت اور اس کا طریقہ کار

تحقیق کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ مخطوطہ کو اس صحیح شکل میں پیش کیا جائے جو مصنف کی اصل کے مطابق ہو۔ شرح ایک علاحدہ شے ہے۔ اکثر ناشرین اس کی اہمیت سے بے خبر ہیں۔ حواشی کو شرح و اضافہ سے بھر دیتے ہیں، شرح الفاظ، اشخاص کے تذکرے، مطبوعہ کتابوں کی عبارتیں اور مصنف کے مطلب کی وضاحت یہ تمام باتیں ناقابل قبول حد تک شامل کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں نفس متن سے مطالعہ کرنے والوں کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔

تحقیق کا کام ذیل کی باتوں کا مقتضی ہے:

۱۔ صحتِ کتاب، نام اور مؤلف کی طرف نسبت کی تحقیق۔

۲۔ اگر نسخہ اساسی ہے اور مصنف کے قلم کا لکھا ہوا ہے تو ویسا ہی نشر ہو گا۔

۳۔ اگر مصنف نے کوئی عبارت کسی حوالے سے اخذ کی ہے تو یہ عبارت اصل سے مقابلہ کی جائے گی اور حاشیے میں مختصرًا کمی یا زیادتی کا ذکر ہو گا۔ گویا اس طرح لکھا جائے گا: یہ عبارت فلاں کتاب میں بایس الفاظ مختلف ہے، یا اضافہ ہے وغیرہ۔

- ۴۔ کبھی مصنف ماذد کا حوالہ نہیں دیتا ہے۔ اگر محقق ان عبارتوں کا پتہ چلا لے اور اصل متن سے مقابله کر لے تو اچھا ہے تاکہ صحتِ متن کا یقین ہو جائے۔ یہ دو شقیں (۳ و ۴) صرف صحتِ متن کے کلی اطمینان کے لئے ہیں۔
- ۵۔ کبھی قلم کی لغزش یا حافظہ کی خطا، کسی لفظ یا نام کے اندرج میں مصنف سے غلطی کا ارتکاب کر دیتی ہے۔ محقق کا فرض ہے کہ ایسی کوتا ہیوں کا ذکر حاشیہ میں کر دے اور متن کو اصل کے مطابق رہنے دے کیوں کہ مصنف کا اپنے قلم سے کسی ایسے متن کا لکھنا اس کی تربیت، معلومات اور علمی شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔
- ۶۔ اگر نسخے مختلف ہوں تو ایک نسخہ اساس بنے گا اور اس کے متن کی تصدیق کی جائے گی۔
- ۷۔ حاشیہ میں نسخوں کے اختلاف (یعنی روایات کا اختلاف) مذکور ہو گا۔
- ۸۔ روایتوں کے اختلاف کی صورت میں محقق صحیح اور مندرج شکل متن میں شامل کرے گا۔ حاشیہ میں محرف، مصحف اور غلط لفظ جیسا ہے ویسا ہی اندرج ہو گا۔
- ۹۔ اگر کسی نسخے میں کوئی ایسا اضافہ ہے جو معتمد علیہ نسخے سے ساقط ہے تو یہ اضافہ اصل متن میں شامل ہو گا اور حاشیہ میں اس کا ذکر کر دیا جائے گا۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو گا جب مصنف کا اضافہ ثابت ہونہ کہ ناسخ کا۔ ناسخ کا اضافہ حاشیہ میں درج ہو گا۔
- ۱۰۔ محقق کو اصل متن سے ساقط شدہ حرف یا لفظ کو قوسمیں میں بڑھانے کی اجازت ہے۔ (دیکھیے رموز) قدماء نے سندِ حدیث یا متنِ حدیث میں کوئی چیز ساقط ہو جائے تو بڑھانے کی اجازت دی ہے یا حروف ماند پڑ گئے ہوں تو انھیں اجاگر کیا جا سکتا ہے۔
- ۱۱۔ اگر کسی مخطوطہ میں کوئی مقام کرم خورده ہے یا سوراخ ہے جس کی وجہ سے اصل متن متاثر ہوا ہے اور یہ عبارت کسی دوسری کتاب میں چاہے مطبوعہ ہو یا مخطوطہ ملتی ہے تو متن وہاں سے مکمل کر لیا جائے گا اور حاشیہ میں اشارہ کر دیا جائے گا۔ یہ اضافہ قوسمیں کے درمیان ہو گا (دیکھیے رموز) اگر محقق کو کرم خورده یا خالی جگہ کا کسی اور ذریعہ سے پتہ نہ چل سکے تو ان کی مقدار کا حاشیہ میں ذکر ہو گا۔
- ۱۲۔ بعض ناشرین کتب مختلف نسخوں کی موجودگی میں عدمہ نسخہ کو اختیار نہیں کرتے بلکہ بیک

وقت متعدد نسخوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ناشر کو اس کی اجازت ہے مگر غلطیوں کا ایسی صورت میں امکان ہے الایہ کہ مصنف کی شخصیت، اس کی زبان اور اسلوب بیان سے واقفیت ہو۔ بہتر تو یہی ہے کہ ایک نسخہ کو بنیاد بنا کر جائے اور مقابلہ کر کے صحیح روایت درج متن ہو۔

۱۳۔ قدماء کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ جب انھیں دو نسخے دستیاب ہوتے تو ایک دوسرے سے مقابلہ و معارضہ کرتے اور ہر ایک کے اختلاف کو کنارے (ہامش) پر لکھ دیتے کہ فی نسخہ: کذا۔ ایسی صورت میں جو تحریر کتاب کے کنارے پر ہوگی وہ دوسرے نسخے کے اختلاف کو اور متن کی افضليت کو بھی نمایاں کرے گی۔ ان باتوں کا حاشیہ میں ضرور ذکر ہونا چاہئے۔

۱۴۔ کبھی کوئی کتاب کسی عالم کے زیر مطاعمہ رہتی ہے۔ وہ بعض الفاظ کی درستگی بھی کر دیتا ہے۔ ایسے اصلاح شدہ الفاظ نسخہ کی قدر و قیمت میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ اگر محقق ان اصلاحات کا ہم خیال ہو تو انھیں متن میں داخل کر دے اور اصل کی طرف حاشیہ میں اشارہ کرے۔ عام حالات میں یہ ضروری ہے کہ حاشیہ میں ان تمام تعلیقات کا ذکر ہو جو کسی نسخہ کے کنارے پر پائے جاتے ہیں۔

رسم الخط

اصل تو یہی ہے کہ متن کا رسم الخط مؤلف کے قلم کے نسخے کے مطابق ہونا چاہئے لیکن عربی رسم الخط مختلف ادوار سے گزر رہا ہے اس لئے موجودہ املاء کا لحاظ بہتر ہو گا۔ اس کی اجازت قدماء سے بھی ثابت ہے۔ ہمیں ایسے قدیم متن سے دو چار ہونا پڑتا ہے جو غیر منقوط ہیں۔ اسلئے بغیر نقطہ انھیں شائع نہیں کیا جاسکتا۔ کبھی ایسے متن بھی سامنے آتے ہیں جن میں همزہ، ضمہ، فتحہ، کسرہ، تشدید اور جزم کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ اس لئے انھیں ایسی صورت میں شائع کرنا بعض التباس کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے لئے مناسب ہے کہ ذیل کی صورتیں اختیار کی جائیں۔

- ۱۔ معنی کی تبدیلی کی صورت میں ہمزة ابتدائی کی حرکت ضرور واضح کی جائے جیسے: اعلام،
اعلام۔
- ۲۔ الف مقصورہ اور یاء کے درمیان قرأت کے التباس کو رفع کرنے کے لئے یاء کے نیچے دو
 نقطے ضرور ہونے چاہئے جیسے ابی، ابی (آخر شکل میں یاء کے نیچے دونقطے ہوں گے۔ م)
- ۳۔ تشدید ہمیشہ لکھی جائے۔
- ۴۔ ان اسماء کے الف جو عام طور پر کتابت میں حذف کر دیے جاتے ہیں ضرور لکھے
 جائیں جیسے: سلیمان بجائے سلیمن، حارث بجائے حرث، خالد بجائے خلد، معاویۃ
 بجائے معاویۃ، مردان بجائے مردون، اور مالک بجائے ملک۔
 یہ بات قابل ذکر ہے کہ مجمع علمی عربی نے ”تاریخ دمشق“ کی اشاعت کے وقت صرف
 قرآنی اسماء کا قدیم املاء حال رکھا تھا۔ جیسے: الحق، ابراہیم، اسماعیل۔
 وہ الفاظ جن میں الف محن و ف خیال کیا جاتا ہے۔ میری رائے میں بہتر یہ ہے کہ الف
 لکھا جائے۔ جیسے لاکن بجائے لکن، ہاؤلاء بجائے ہؤلا، ہاذا بجائے ہذا..... الخ۔ مغرب اقصی
 میں ان الفاظ کی کتابت میں الف کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔
- ۵۔ اعداد کو الگ الگ لکھنا چاہئے۔ سبع مائی بجائے سبعہ مائی یا سبعماہی، ثلاث مریٹ بجائے
 ششمہ یا ثلائماہی۔
- تحقیق کو مخطوطات سے بحث کرتے وقت مقدمہ میں ان کے رسم الخط کی بات لکھ دینا
 چاہئے۔ نیزان کے نمونے بھی پیش کر دیئے جائیں اور ان کی تبدیلی میں جو طریقہ اختیار کیا گیا
 ہواں کا بھی ذکر ہو۔

علامت اختصار

نفس متن میں کچھ الفاظ یا جملے بار بار دہرائے جاتے ہیں، جیسے آنحضرت کے لئے ”صلوٰۃ وسلام“ یا متوفی کے لئے ”رحمۃ اللہ“، کہنا یا صاحبہ کے لئے ”رضی اللہ“ کے الفاظ یا روایت
 حدیث میں ”حدثنا، اخبرنا، أَنْبَأَنَا“ کے الفاظ۔ قدماء نے بعض الفاظ اور اسماء کے کتب کا اختصار

بھی استعمال کیا ہے، ایسے حرف و حرف کے رموز ذیل میں درج ہیں:

تعالیٰ	رحمة اللہ	رحمہ
الآخرہ	رضی اللہ عنہ	رضہ
حدثنا	انھی	اھ
انساناً	خبرنا	انا

”انساناً، حدثنا، اخبرنا کا اختصار یہی نہیں کہ صرف اسانید کے بیان میں ہم پڑھتے ہیں بلکہ کبھی کبھی یہ نفس متن میں بھی ملتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں ”صحابۃ“، ”غیرہ“ کے مختصرات بھی مستعمل ہیں جیسے بخاری کی (خ)، مسلم کی (م)، ترمذی کی (ت)، ابو داؤد کی (د)، نسائی کی (ن) اور قزوینی کی (ق) علامتیں مطالعہ میں آئی ہیں۔

بعض مستشرقین نے بار بار آنے والے الفاظ کے اختصار میں اسی طریقہ کی اتباع کی ہے۔ اس کی پیروی حاشیہ میں مصادر کے ناموں کے اختصار میں بھی کی جاسکتی ہے۔ (دیکھیے مصادر)

شکل ۱۳

متن کے مشکول کرنے کے سلسلہ میں ذیل کے اصول کی پیروی کی جاسکتی ہے۔

- جب اصل متن کا کوئی جز یا کل مشکول ہو تو ہر جگہ اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔
 - آیاتِ قرآنی اور احادیث بہر صورت مشکول ہوں گے۔
 - مشکل اشعار اور امثال مشکول ہوں گے۔
 - اور ایسے الفاظ جن کو مشکول نہ کیا جائے تو معنی مشتبہ ہو جائیں جیسے ماضی مجہول میں ضرب و ضرب کافر۔
 - ایسے اسماء جو غجمی، مرکب یا مشکل ہیں رجال اور تذکرے کی کتابوں کی طرف رجوع کر کے مشکول کیے جائیں گے۔
- مقدمہ میں یہ لکھنا ضروری ہے کہ نفسِ متن مشکول تھا یا بعد کا اضافہ ہے۔

عنوانات

بابوں اور فصلوں کے عنوانات جملی حروف میں نفسِ متن میں لکھے جائیں گے۔

متوں کی تقسیم و ترتیب:

- ۱۔ مؤلف کی تقسیم و ترتیب کی پیروی ہوگی۔
- ۲۔ ایسا متن جس کی اصلاً تقسیم نہیں ہے تو اس کی بہ شرط ضرورت از سرِ نو تقسیم و تبویب وضاحت کے لئے ہوگی۔ ہر فصل کا الگ عنوان قویں [] کے درمیان ہوگا۔
- ۳۔ اگر نفسِ متن ابواب میں منقسم ہے تو ابواب کے نمبرڈ اے جائیں گے۔
- ۴۔ اگر زیرِ بحث کتاب تراجمِ رجال پر مشتمل ہے تو صاحبِ ترجمہ کا نام کتاب کے کنارے متن کے حروف کے سائز میں لکھا جائے گا یا پھر صفحہ کے پیچوں پیچ میں ہوگا۔ تراجم کے اعداد و شمار بھی ہوں گے۔
- ۵۔ حدیث کی کتابوں میں احادیث کے نمبر درج کیے جائیں گے۔
- ۶۔ دواوینِ شعر کے ابواب بحالہ قائم رہیں گے یا حروفِ تہجی کے مطابق مرتب کیے جائیں گے۔ قصائد و قطعات کے نمبرڈ اے جائیں گے۔
- ۷۔ چاہے نظم ہو یا نثر متن کی سطروں کے اعداد و شمار پانچ پانچ یا تین تین کے وقفہ سے دیے جائیں گے۔

احادیث سے متعلق:

- ۱۔ ”خبرنا، حدثنا، انبأنا“ کے الفاظ جو سندِ احادیث میں وارد ہوں گے اختصاراً لکھے جائیں گے۔
- ۲۔ اسانیدِ حدیث خفی حروف میں متن کے ہم شکل ہوں گے۔
- ۳۔ متنِ حدیث سے پہلی سطر کی ابتداء ہوگی اور حدیث کا پہلا راوی متنِ حدیث میں شامل ہوگا۔

نقطے، فاصلے اور اشارات:

- ۱۔ معنی کی تکمیل کے بعد جملوں کے آخر میں (ٹھہراؤ) کا نقطہ ہو گا۔
- ۲۔ فاصلہ رکھا جائے گا۔ مگر فاصلہ کے ساتھ نقطہ کا استعمال نہ ہو گا۔
- ۳۔ استفہام اور تعجب کے نشانات اپنی اپنی جگہ ہوں گے۔
- ۴۔ دونقطے قول کے بعد مستعمل ہوں گے، جیسے: قال محمد:

جب دو قول ہوں تو دوسرے قول کے بعد استعمال ہو گا۔ اس کی مثال یہ ہوگی قال محمد،
قال خالد:

- ۵۔ مُسْجَعِ مِنْ کی صورت میں سمعات میں فصل ہو گا۔
- ۶۔ اگر اصل متن کرم خورده ہو تو اس کی جگہ ہر لفظ کے لئے تین نقطے رکھے جائیں گے۔

قوس، خطوط اور رموز کا استعمال:

- () بیل دارقوسین آیات قرآنی کے لئے مخصوص ہیں۔
- " " جفت فاضلات ان کتابوں کے نام پر مشتمل ہوتے ہیں جو متن میں شامل ہوتے ہیں۔
- -- یہ دوچھوٹی لکیریں ظاہر کرتی ہیں کہ مابین کا جملہ معتبر ضم جملہ ہے۔
- । । یہ دو عمودی خط یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اضافہ اسائی نسخے کے علاوہ کسی اور نسخہ کا ہے۔
- < > مکسورقوسین یہ بتاتے ہیں کہ حروف یا لفظ کا اضافہ سابق کلام کے مطابق ناشر کی طرف سے کیا گیا ہے۔

[] مریع قوسین اس کی شہادت دیتے ہیں کہ مابین کسی دوسرے متن سے ماخوذ ہے یا استشہاد اہے یا پھر ان سے جدید عنوان کا اظہار ہوتا ہے۔

() یہ قوسین نفس متن میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مخطوطہ کے ورق کا پہلا رخ ہے۔ وہ اس طرح لکھا جائے گا۔ (۲۵) ۔

() یہ قوسین نفس متن میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مخطوطہ کے ورق کا دوسرا رخ ہے۔ وہ اس

طرح لکھا جائے گا (۲۵ ب).

(کذا) کذاقوں میں اس وقت لکھا جاتا ہے جبکہ قرأت محقق کو مبہم معلوم ہوا اور بعینہ رکھ دے۔

حروف کے رموز ہر مخطوط نسخہ کے لئے الگ الگ مقرر کیے جاتے ہیں۔ بسا اوقات یہ حرف صاحب نسخہ کے نام سے ماخوذ ہوتا ہے یا کبھی اس کتاب خانہ کا جزو ہوتا ہے جہاں سے یہ نسخہ دستیاب ہوتا ہے یا اس شہر کے نام کا جہاں یہ کتاب خانہ قائم ہے۔

اقسامِ مخطوطہ کے لئے ابجد کے حروف مستعمل ہوتے ہیں، جیسے قسم ب، قسم ج۔

حوالہ

ابھی تک شائع ہونے والے متن کے خارجی مظہر کی تفصیل تھی۔ مگر اصل میں علمی اور تنقیدی کام کا معیار حوالہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مستشرقین اس کو ایک اہم فن گردانے تھے ہیں اور حقیقتاً یہ علمی مہارت کا طالب بھی ہے۔

ہمارے محققوں نے حوالہ لکھنے میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک جماعت تو حاشیہ میں اختلافِ نسخ دیتی ہے اور تعلیقات آخر کتاب سے ملحق کرتی ہے۔ اکثر فرانسیسی مستشرقین کا طرزِ عمل یہی رہا ہے۔ ایک دوسرا فریق حاشیہ میں اختلافِ نسخ دیتا ہے پھر تعلیقات ایک لکیر کی فصل سے وہیں درج کر دیتا ہے۔ بعض جرمن مستشرقین نے یہی طرز اختیار کیا ہے۔ تیسرا فریق کوئی فصل قائم نہیں کرتا۔ چوتھا فریق وہ ہے جو صرف متن دیتا ہے اور اختلاف روایات اور تعلیقات کو کتاب کے آخر میں درج کرتا ہے۔

ہم نے ایسے محقق بھی پائے ہیں جو شرح، تعلیق اور تفسیر میں غلوبرتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ملتے ہیں جو بالکل پہلو تھی کر جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سامناب طریقہ ہے جو لازم اتباع ہو سکتا ہے۔

جب نفسِ متن کی تحقیق کا مقصد صحیح متن مؤلف کے مشاکے مطابق پیش کرنا ہو تو پہلی

شکل اختیار کی جائے گی اور یہ صحیح بھی ہے۔ نسخوں کا اختلاف صاف بتا دے گا کہ اصل متن میں کیا ہونا چاہئے۔ بایس صورت اولاً حواشی اختلاف نسخہ کے لئے خاص کر دیے جائیں گے پھر متن کے مصادر کا ذکر ہو گا یا اس کا ذکر ہو گا جس سے محقق نے رہنمائی حاصل کی ہے۔ یہ متن کی صحت کی مزید وضاحت کرے گا۔

مصادرِ متن کے باب میں درج ذیل باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ مصادر نقل: مثلاً قال ابن سعد... حاشیہ میں یوں لکھا جائے گا: طبقاتِ حذف کذا۔

۲۔ آیاتِ قرآنی: آیت اور سورہ کا نمبر درج ہو گا۔

۳۔ احادیث: احادیث کی تخریج ہو گی۔ مثلاً آخر جامد فی مندہ۔ مند کے کس جز میں ہے اور اگر حدیث نمبردار مذکور ہے تو حدیث کا کیا نمبر ہے۔ درج کیا جائے گا۔

۴۔ اشعار اور شواہد: اگر ممکن ہو تو دو اوین کے حوالے ہوں گے، ادبی کتابوں کی مدد سے روایات کے اختلافات کی نشان دہی ہو گی۔ اگر مجہول شعر ہو تو حتیٰ الوعظ محقق قائل کا پتہ چلا جائے گا۔

اب صرف نفسِ متن میں مذکور شخصیتوں اور جگہوں کے نام اور الفاظ اڑھے گئے۔ اگر نام مقام اور لفظ کی صحت مقصود ہو تو حاشیہ میں درج کیا جائے گا۔ اگر افراد کے ذکرے، مقام کا تعین اور الفاظ کی توضیح و تشریح مقصود ہے تو بہتر یہی ہے کہ آخر کتاب میں ضمیمہ کے طور پر لکھ دیا جائے۔ یہ اس لئے ہو گا کہ متن حاشیہ کی کثرت اور شرح کی طوالت سے بوجھل نہ ہو۔ اگر ضمیمہ لگانا کسی سبب ممکن نہ ہو تو صرف شخصیات کا سال وفات، مصادر کا ذکر بغیر کسی تشریح کے درج کیا جاسکتا ہے۔ مقامات کے سلسلے میں ذکرِ مقام و مصادر بغیر کسی تشریح کے درج کیا جاسکتا ہے۔ اب رہے الفاظ، خصوصاً وہ الفاظ جو متداول کتب لغت میں نہیں ملتے یا ایک خاص تمدن و ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں تو بہتر صورت یہی ہے کہ آخر کتاب میں ضمیمہ کے طور پر ان کی توضیح و تشریح کر دی جائے۔

۵۔ وہ تعلیقات جو متن کے کنارے (ہامش) پر ہوں ان کو حاشیہ میں لکھا جائے گا اور موقع

بے موقع ان کا ذکر کر دیا جائے گا۔

اجازت اور سماع:

- ۱- گزشته زمانہ میں درس و تدریس اور عصری امتیاز کے سلسلے میں اجازت (منادلہ، سماع، قراءت) کی بڑی اہمیت تھی۔ اس قسم کی شہادتیں اگر مخطوطات میں ملیں تو ان کو متن کے ساتھ ضرور شائع کرنا چاہئے۔
- ۲- اصل اجازت یا سماع کی ہر سطر الگ لکھی جائے گی۔
- ۳- سطروں کے اعداد لکھے جائیں گے۔ اعداد متعارف تو سین () کے درمیان ہوں گے۔
- ۴- سماعات کا خفیٰ حروف میں بایس طور ذکر ہو گا: سماع، قازی اور سماع کی تصدیق کرنے والے کے نام، سننے والوں کی تعداد، مقامِ سماع اور تاریخِ سماع۔

فہرستیں

فہرست تیار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شائع شدہ کتاب کی افادیت اور اس سے استفادہ ہر محقق کے لئے آسان ہو جائے۔ مستشرقین کی شائع کردہ کتابیں اپنی جامع فہرستوں کی وجہ سے کافی سودمند ثابت ہوئی ہیں۔

فہرستیں کتاب کے موضوع کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایک کتاب کی فہرست دوسری کتاب کی فہرست کے طرز کی نہ ہو۔ یہ فہرستیں کوئی نئی چیز نہیں پیش کرتی ہیں۔ بلکہ نفس کتاب ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ بعض محققین نے فہرست سازی میں غلو سے کام لیا ہے، جو بالکل بے سود ہے۔ چنانچہ بعضوں نے معجم لغت کے الفاظ کی فہرست تیار کی ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ معجم توبہ ذات خود الفاظ کی مرتب فہرست کا نام ہے۔ نمونہ کی فہرستیں یوں تیار کی جاسکتی ہیں:

- ۱- ناموں کی فہرست۔ مردوں، عورتوں، قبیلوں، گروہوں..... کی فہرستیں
- ۲- مقامات اور شہروں کی فہرست۔

۳۔ متن میں مذکورہ کتابوں کی فہرست۔ اس سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مؤلف کے مأخذ و مصادر کا اکثر پتہ چل جاتا ہے۔

کتاب کا موضوع جن باتوں کا مقتضی ہوتا ہے اس کے لحاظ سے فہرستیں تیار کی جاتی ہیں۔ دیوان شعر یا کسی ادبی کتاب کے اشعار کے قوافی کی فہرست ہوتی ہے۔ اگر ممکن ہو تو صدر ابیات کی فہرست بھی مرتب کی جائے۔ حدیث کی کتاب میں بہتر ترتیب حروف تجھی حدیث کے ابتدائی حروف کی فہرست بھی مرتب ہوتی ہے۔ آثارِ قدیمه کی کتابوں میں قدیم مقامات اور نقشہ سازی (Topography) کی فہرست بھی ہوتی ہے۔ تذکرہ کی کتابوں میں ماسواضمنی افراد، زیر بحث افراد کی فہرست ترتیب دی جاتی ہے۔ تاریخ کی کتاب میں میں اہم واقعات و حوادث کی فہرست مرتب ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

کسی تہذیب و تمدن کی عکاسی کرنے والے الفاظ کی فہرست ضروری ہونی چاہئے۔

ایسے الفاظ جو مجمع لغت میں عام طور پر نہیں ملتے ان کی فہرست ضرور ہو ایسی تمام فہرستوں کو پیش نظر رکھ کر ایک الگ مجمع لغت تیار کیا جا سکتا ہے جو ہمارے قدیم متداول مجمع لغت کے ذخیروں میں نہیں ملتے۔ یہ مجمع لغات زمانہ کی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکے ہیں اس لئے ان کی وسعتوں کو بھی نہیں سمو سکے۔

فہرستیں دو قسم کی ہوں گی:

- ۱۔ ایک تو بسیط فہرست۔ مثلاً علم کا ذکر ہو تو صفحات اور کتاب کا حوالہ بھی دے دیا جائے۔
- ۲۔ دوسری مفصل فہرست۔ وہ یوں ہو گی کہ جس علم کا نام مذکور ہو وہ خفی حروف میں ہر صفحہ پر مناسب طریقہ سے درج ہو۔ اسی ذیل میں وہ فہرستیں بھی آتی ہیں جنھیں بعض محققین نے موضوع کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ یہ کام کافی محنت چاہتا ہے۔ لیکن نہایت فائدہ بخش ہے۔

فہرستیں اس مفروضہ پر تیار کی جاتی ہیں کہ محقق اس کے ذریعہ مجمل علم حاصل کر سکے گا۔

مقدمہ

جب کوئی محقق متن کی طباعت کا کام ختم کر لیتا ہے تو کتاب کا مقدمہ لکھنے بیٹھتا ہے اس لئے کہ بسا اوقات مقدمہ میں کتاب کے صفحات کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے اور یہ اس وقت تک انجام نہیں پاسکتا جب تک کہ کتاب طبع نہ ہو گئی ہو۔

مقدمہ میں ذیل کی تین باتیں ہوں چاہئیں:

- ۱- کتاب کا موضوع اور اس موضوع پر جو کتاب میں لکھی جا چکی ہیں ان کا ذکر۔
- ۲- نفسِ کتاب اور اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں اس کا مقام، اس سے دریافت شدہ نئی باتیں، مؤلف کی قدر و قیمت، مقام علم و فضل اور حالاتِ زندگی، اس کے ساتھ ساتھ ان مصادر کا ذکر جہاں اس کے حالاتِ مستیاب ہوتے ہیں۔
- ۳- اس مخطوطے کا تفصیلی بیان جس پر اعتماد کر کے یہ کتاب نشر کی گئی ہے مخطوطہ کی توضیح و تشریح کے وقت ذیل کی باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔
 - ۱- صفحہ اول پر کتاب اور مؤلف کا کیا نام مذکور ہے۔ کتاب کا نام اور اس کی نسبت چنان ہیں۔
 - ۲- ناخ اور تاریخ ناخ، اگر یہ مشہور شخص ہے تو جن لوگوں نے اس کے حالات لکھے ہیں۔ ان کا حوالہ۔
 - ۳- اگر کتاب پر مؤلف کا نام مذکور نہ ہو تو محقق اس کے موضوع اور اسلوب بیان نیز ان اسماء کے ذریعہ جن کو دیکھنے یا ملنے کا ذکر اشناہ کتاب میں ملتا ہے، پتہ چلانے کی کوشش کرے گا۔ اگر کتابت کی تاریخ نہ ہو تو مخطوطہ کی قدامت کا اندازہ، حروف اور کاغذ کے ذریعہ کیا جائے گا۔
 - ۴- مخطوطہ کے اوراق کی تعداد نیز اس کی تقطیع کا پیمانہ درج ہو گا۔ یہ بھی بتایا جائے گا کہ ہر ورق میں کتنی سطریں ہیں اور سطر کی لمبائی کیا ہے۔ حاشیہ کتنا ہے اور اس کی مقدار کیا ہے۔

- ۵ - حروف کی کیفیت و نوعیت۔ پورا نسخہ ایک خط میں ہے یا مختلف ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے
- ۶ - کس رسم الخط کی کاتب نے اتباع کی ہے۔ اگر محقق متن کتاب کا املا بدل دے تو نمونے ضرور درج کرے۔
- ۷ - روشنائی کی نوعیت اور مختلف رنگوں کا ذکر۔ کبھی متن کتاب سیاہ روشنائی سے لکھی جاتی ہے اور عنوانات سرخی سے۔ مسح عبارتوں میں تواصل کو بھی سرخ یا نیلگوں روشنائی سے لکھتے ہیں۔ ان صورتوں میں تمام باتیں درج ہونی چاہئیں۔
- ۸ - کاغذ اور اس کی نوعیت۔
- ۹ - تعلیقات
- ۱۰ - گوٹ (ہامش) پر تعلیقات کا ذکر۔
- ۱۱ - اجازات (منادلہ، درس کی اجازت، سماع کی اجازت) کا مقدمہ میں ذکر ہوگا اور اصل عبارت کتاب کے آخر میں درج کر دی جائے۔
- ۱۲ - جن جن لوگوں کی ملکیت میں رہی ہے ان کا ذکر (تملیکات)۔
- ۱۳ - اول صفحہ اور آخر صفحہ یا کسی اور صفحہ کا عکس ہونا چاہئے۔ اس کے تحت متن کے زیر بحث موضوع کا ذکر کر دیا جائے گا۔ اگر مصنف کے خط کا سراغ لگتا ہو تو بہتر ہے اس کا بھی عکس شامل کتاب ہو۔
- ۱۴ - اگر متن زیر بحث کی اساس متعدد نسخوں پر ہے تو ان تمام نسخوں کی تفصیل ہوگی۔
- ۱۵ - نسخوں کے ذکر کے بعد رموز کا ذکر ہوگا۔ نسخوں اور قوسوں کے رموز۔

مصادر

محقق کو تحقیق و حواشی اور مقدمہ کے لئے مختلف کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اس لئے آخر میں مصادر کا ذکر ضرور ہونا چاہئے، جہاں مؤلف کا نام، کتاب اور تاریخ اشاعت، ناشر اور مطبع کا ذکر بھی ہوگا۔ شائع شدہ کتابوں میں ناشرین کا باس طور ذکر کیا جائے گا۔ مجمع البلدان: یاقوت حموی، تحقیق: دستنفلد، لپسک ۱۸۷۰ء م

اگر اسماء مصادر کے مختصرات حواشی میں مستعمل ہوتے ہیں تو مصادر کی ابتداء میں مکمل نام ضرور لکھ دینا چاہئے۔ مثلاً وفیات الاعیان: ابن خلکان، قاہرہ سنۃ کذا۔

خاتمه

یہ وہ عام اصول ہیں جن کی پیروی اشاعتِ متن کے سلسلہ میں کرنی چاہئے۔ ہم نے وہ سیدھا سادہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ جس میں نہ مستشرقین کی کورانہ تقلید ہے اور نہ وہ بے راہ روی اور فقدان اصول جس کے شکار ہمارے ملک کے ناشرین رہے ہیں۔ جن مددگار علوم کے جاننے کی ضرورت تحقیق کے سلسلہ میں ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ اس کی بحث کسی آئندہ اشاعت میں پیش کی جائے گی۔

حوالے اور حواشی

- ۱۔ ادارہ غیوم بودہ نے ان اصولوں کو ذیل کی کتابی شکل میں مرتب کر دیا ہے جو عربی متن کی اشاعت کے ضمن میں ان کے پیش نظر ہے ہیں: R. Blachere at J. Sauvaget, *Regles Pour édition at traductions de texte arahes*, Paris 1945.
- ۲۔ تاریخ دمشق چوں کے ضخیم کتاب تھی اس لئے اس وقت یہی طے ہوا تھا۔ لیکن صورت حال میں حتی الوضع تخریج ہو گی (مترجم)
- ۳۔ تاریخ مدینۃ دمشق (ادارہ کی تحقیق)، مقدمہ ج ۱، دمشق ۱۹۵۱ء
- ۴۔ دیکھیے کتاب "الشفا"، منطق بحث مدخل، مقدمہ ڈاکٹر مذکور ص ۳۸-۳۲ (قاہرہ ۱۹۵۳ء)
- ۵۔ دیکھیے مجلہ "الثقافة" عدد ۲۷ و ۲۸، ۱۹۳۳ء
- ۶۔ عبدالسلام ہارون: *تحقيق النصوص ونشرها* (قاہرہ ۱۹۵۳ء)
- ۷۔ دیکھیے مقالہ ڈاکٹر یوسف: "اعشن التدوین والمعاجم، مجلہ اجمع علمی، دمشق جلد ۱۶، صفحہ ۳۲۲، ۱۹۳۱ء۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تدوین سے متعلق مضمون جو "صحیفة ہمام بن منبه" کی اشاعت کے وقت زیر قلم آیا تھا، سابق مجلہ جلد ۲۸، ص ۹۶۔ جبیب الزیات کا مضمون "الوارفة الوارقین" "مجلہ المشرق" جلد ۳۱، ص ۳۰۵۔ کورس عواد کا مضمون "الکاغذ والورق" مجلہ اجمع علمی، دمشق، جلد ۲۳، ص ۲۰۹ اور مجلہ سومر۔
- ۸۔ یہ حقیقت ہے کہ اکثر علماء اپنی تاییفات اول اول کسی اور شکل میں پیش کرتے ہیں بعد ازاں حک و اصلاح کرتے ہیں۔ ابن عساکر کی "تاریخ دمشق" کے دو قسم کے نئے متداول ہیں، نئی دریافت جو اسی ۸۰ رجہ دوں میں ہے اور قدیم ۷۵ رجہ دوں میں "دریافت الاعیان" کے بھی دونئے رائج ہیں۔ "کتاب الردضین" کے دو

نہیں ملتے ہیں، ایک قدیم دوسرا جدید جوز یادہ معبر سمجھا جاتا ہے۔ مؤلفین کے سیرت نگار بعض اوقات تصانیف کے ادوار کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یا کبھی مؤلف پس خود اپنی تصنیف کے آخر میں اس کا ذکر کرتا ہے۔

۹۔ استاد ہارون نے ابن کثیر سے ایک اہم عبارت اس سلسلے میں نقل کی ہے۔

۱۰۔ صلاح الدین صفری، مقدمة "الوافي بالوفيات" ج، (تحقيق هـ ریتز استنبول ۱۹۳۲ء)

۱۱۔ دیکھیے مخطوط "الحسینی فی الزیل علی العبر" (مخطوط عارف حکمت، مدینہ)

۱۲۔ دیکھیے ابن عساکر: مجمع الشیوخ النابل (مخطوط ظاہریہ، دمشق خالدیہ قدس) مقدمہ میں تصریح ہے "و جعلت لكل واحد من هؤلا، حرفاً يدل عليه، تحفیفاً على الکاتب لِعَجْلٍ" (جلد باز کتابوں کی آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایسا حرف مقرر کر دیا ہے جو اصل کا پتہ دیتا ہے۔) پھر فرماتے ہیں: لَا إِنَّ الْأَجْزَاءَ تَنْوِبُ عَنِ الْأَجْمَلِ (یہ مختلف اجزاء، جملوں کے قائم مقام ہیں۔)

۱۳۔ کتاب میں کسی لفظ پر حرکات کے اظہار کو عربی میں شکل دینا کہا جاتا ہے اعراب آخراظن کی حرکت کو ظاہر کرتا ہے (مترجم)

۱۴۔ فاصلہ کی جمع ہے۔ یہ سچع میں بالکل اس طرح مستعمل ہوتا ہے جیسے اشعار میں قافیہ (مترجم)

۱۵۔ اس سے مراد غالباً وہ عبارت ہے جو مصنف ضمیر کے طور پر آخر کتاب میں لکھ دیتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غلطیوں کی وجہ اصلاح شدہ شکل ہو جو اکثر مطالعہ کرتے وقت علماء کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔ چوں کہ عنوان کی شکل میں لکھا گیا ہے اور کوئی تفصیل درج نہیں ہے اس لئے اس کا قطعی تعین مشکل ہے۔ (مترجم)

فہرست اسناد مجموعہ

- ۱۔ ابن سینا "شفا"، طبع اول، نشر وزارت المعارف العمومية الادار العامه الشفافۃ، قاهرہ، ۱۳۱۳ھ بـ مطابق ۱۹۵۳ء
- ۲۔ ابن عساکر "تاریخ دمشق"، جدید، ۸۰ جلدیں، بیروت، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع ۱۳۱۵ھ
- ۳۔ ابن عساکر "تاریخ دمشق"، قدیم، ۷۵ جلدیں www.ahlalhadeeth.com
- ۴۔ ابن عاتی "قواوین الدواعین"
- ۵۔ ادارہ "تاریخ مدینۃ دمشق"، جلد اول، دمشق، ۱۹۵۱ء
- ۶۔ "وفیات الاعیان"، قم، منشورات الشریف الرضی
- ۷۔ صلاح الدین صفری "الوافي بالوفيات" ج، تحقیق هـ ریتز، استنبول ۱۹۳۲ء
- ۸۔ المقدمی، ابو شہاب الدین عبد الرحمن بن اسماعیل: "کتاب الروضتین" ، جدید، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۲۲ء
- ۹۔ "کتاب الروضتین" ، قدیم www.alwarraq.com

مخطوطات:

- ۱۔ مخطوط "الحسینی فی الزیل علی العبر" (مخطوط عارف حکمت، مدینہ)

-٢- مخطوطه، ”ظاهریه“، دمشق خالدیه قدس-

مجلات:

- ١- ”مجلة الثقافة“، عدد ٢٧-٢٨٠، ١٩٣٠ء
- ٢- ”مجلة الجمع العلمي“، جلد ١٦، ٢٣، ٢٨ء
- ٣- ”مجلة المشرق“، ج ٣١، ١٩٠٢ء، بيروت
- ٤- ”مجلة سومر“



انجمنِ اسلام اردو کا ایک ممتاز تعلیمی و ثقافتی ادارہ ہے جس نے جسٹس بدر الدین طیب جی، محمد علی روگھے (دوم)، عبداللہ دھرمی، سیف طیب جی، بیر شرا کبر پیر بھائی، معین الدین حارث اور مصطفیٰ فقیہ جیسی دانشورانہ اور فعال شخصیتوں کی رہنمائی میں تعلیم اور اردو کے کارروائی کو سنبھالی اور اطراف سبھی میں فروغ دیا اور صوبہ سبھی سے باہر کی اردو دنیا کو سبھی متأثر کیا۔

انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، انجمنِ اسلام کا ایک ثقافتی و ادبی ادارہ ہے اور اس کی شناخت ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ عالمگیر ہے۔ یہ ادارہ ہندوستان کی آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں قائم کیا گیا تاکہ اردو زبان و ادب سے متعلق اپنی خدمات پیش کرے۔ انجمنِ اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں سابق صدر انجمنِ اسلام مرحوم سیف طیب جی، سابق پرنسپل اسماعیل یوسف کانج ڈاکٹر محمد بذل الرحمن، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار اور مشہور دانشور و ماہر قانون پروفیسر آصف علی اصغر فیضی کی مساعی جمیلہ شامل ہیں۔ ممتاز محقق اور عالم پروفیسر نجیب اشرف ندوی اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے بانی ڈاکٹر اکٹر ظہیر الدین مدنی اس کے اسٹاٹ ڈاکٹر کثرت تھے۔ نامور محقق مرحوم عبدالرزاق القریشی بھی اسی دور میں ادارے سے وابستہ رہ کر اس کے علمی کاموں کو ہمیزی کرتے رہے۔ مرحوم کی زیر نظر کتاب کے علاوہ القریشی صاحب کی دیگر مطبوعات کے نام یہ ہیں: ”نوائے آزادی“ (مؤلفہ)، ”مرزا مظہر جان جانا“ (مؤلفہ)، ”مکاتیپ مرزا مظہر“ (مرتبہ)، ”راغ مala“ (مؤلفہ) اور ”اردو زبان کی تمدنی اہمیت“۔

اس ادارہ کا بنیادی مقصد سبھی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کی عدم موجودگی میں اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینے کے ساتھ اردو میں قدیم اردو میں تحقیقات کرنا اور اسی طرح نئے تحقیقی کاموں کو فروغ دینا ہے۔ ”نوائے ادب“ اس کا تحقیقی مجلہ ہے جسے اردو دنیا میں علمی و ادبی اعتبار حاصل ہے۔ — ادارہ

عبدالرزاق القریشی صاحب، ضلع عظم گڑھ میں بستی بسم کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد القریشی صاحب سبھی تشریف لائے اور انجمنِ اسلام ہائی اسکول میں درس و تدریس سے وابستہ ہوئے۔ وہ انجمنِ اسلام اسکول کے ممتاز اور معروف اساتذہ میں سے تھے۔ انھیں اردو زبان و ادب اور اسی طرح فارسی زبان سے بھی شغف تھا اور درس و تدریس کے ساتھ وہ زبان و ادب کی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ اس زمانے میں سبھی کے اردو کے اساتذہ میں تین (۳) اساتذہ اپنی زبان دانی اور درس و تدریس میں مہارت اور طلباء کی ذہنی تربیت اور ادبی ذوق و شوق کو پروان چڑھانے میں مشہور تھے۔ ان میں القریشی صاحب کے علاوہ احمد سلیمان اسکول کے استاد محمد بشیر صاحب اور بیگ محمد کے فاضل استاد مولانا جالب مظاہری کے نام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان تینوں اساتذہ کو اسکولی سطح کی اردو اور تاریخ کی تدریس کے لئے شہرت حاصل تھی۔